اس شمارے میں

اس شمارے میں	شاہد رضا	۲

قرآنیات

سورۃ التوبہ (۸)	جاوید احمد غامدی	۵

معارف نبوی

لباس پہننے کے بارے میں روایات	امین احسن اصلاحی	۱۰

مقامات

ترکی میں حدیث کی تدوین جدید	جاوید احمد غامدی	۲۲

سیر و سوانح

حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ	محمد وسیم اختر مفتی	۲۵

نقطۂ نظر

میاں یا بیوی کی سرکشی ــــ قرآن کی نظر میں	پروفیسر خورشید عالم	۳۱

وفیات

مولانا اختر احسن اصلاحی	امین احسن اصلاحی	۴۷

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

شاہد رضا

اس شمارے میں

اس شمارے کا آغاز حسب سابق جناب جاوید احمد غامدی کے نظم کلام کی رعایت سے جاری ترجمۂ قرآن ''البیان'' سے ہوا ہے۔ اس اشاعت میں سورۂ توبہ (۹) کی آیات ۹۰-۹۹ کا ترجمہ اور مختصر حواشی شامل ہیں۔ گذشتہ آیات میں شہری منافقین کا ذکر تھا، جبکہ ان آیات میں بدوی منافقین کا ذکر ہے۔ نفاق میں اشتراک کی وجہ سے دونوں کو جہنم کی وعید سنائی گئی ہے۔ ضمناً حقیقی معذورین کے امتیاز کے لیے ان کی مغفرت کی بشارت بھی دی گئی ہے۔

''معارف نبوی'' میں زینت کے لیے لباس پہننے کے حوالے سے ''موطا امام مالک'' کی چند روایات کا انتخاب شامل ہے۔ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث، صحابۂ کرام اور سیدہ عائشہ وحفصہ کے اقوال اور امام مالک کے چند فتاویٰ پر مشتمل ہیں۔

''مقامات'' میں ''ترکی میں حدیث کی تدوین جدید'' کے زیر عنوان جناب جاوید احمد غامدی کا ایک شذرہ شامل ہے۔ اس میں انھوں نے ترک اہل علم کے حدیث پر علمی وتحقیقی منصوبے کو سراہا ہے۔ غامدی صاحب نے بیان کیا ہے کہ اسلام کے دور اول سے دور حاضر تک کوئی دور ایسا نہیں ہے جو حدیث کی تحقیق وجستجو کے کام سے خالی رہا ہو اور جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت سے بیان کی گئی روایتوں کے صحیح وسقیم کو الگ کرنے کی کوشش نہ کی گئی ہو۔ موجودہ زمانے میں اس کی ایک نہایت اہم مثال علامہ ناصر الدین البانی کا کام ہے۔ غامدی صاحب کا کہنا ہے کہ ترک علما کی کاوش کی علمی منزلت کا اندازہ تو ان کی تحقیقات اور ان کے نتائج سامنے آنے کے بعد ہی ہو گا، مگر یہ اس اعتبار سے منفرد ہے کہ اس کو اہل علم کی ایک جماعت ادارے کی صورت میں انجام دے رہی ہے۔

''سیر وسوانح'' میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابی حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کا تذکرہ ہے۔ اس

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

میں ان کے سفر ہجرت، سریۂ عبداللہ بن جحش اور غزوۂ بئر معونہ میں عظیم کردار کو بیان کیا گیا ہے۔

''نقطۂ نظر'' میں جناب پروفیسر خورشید عالم کا مضمون ''میاں یا بیوی کی سرکشی ـــــ قرآن کی نظر'' میں شائع کیا ہے۔ ان کا موقف ہے کہ لفظ 'نُشُوز' (سرکشی) کا اطلاق میاں اور بیوی، دونوں پر ہوتا ہے، کسی ایک کے ساتھ خاص کرنا درست نہیں ہے۔ تائید میں انھوں نے قرآن، حدیث اور تعامل نبی صلی اللہ علیہ وسلم پیش کیا ہے۔

''وفیات'' میں ''مولانا اختر احسن اصلاحی'' کے زیرعنوان امام امین احسن اصلاحی کا مضمون شائع کیا ہے۔ اس میں انھوں نے امام حمید الدین فراہی رحمہ اللہ کے خاص شاگرد اور اپنے شریک درس کا ذکر کیا ہے۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

''...انسان کی خواہش اور اس کے عمل کے درمیان سے جب عقل و ارادہ کی کڑی غائب ہو جائے اور وہ یکسر اپنی خواہشوں کا غلام بن کے رہ جائے تو پھر اس کے اور حیوانات کے درمیان کوئی جوہری فرق باقی نہیں رہ جاتا۔ یہ چیز اس کے باطن کو بالکل مسخ کر دیتی ہے اور باطن کے مسخ ہو جانے کے بعد ظاہر بھی بالتدریج مسخ ہو کے رہتا ہے۔ جو نگاہیں حقیقت بین ہوتی ہیں وہ سیرت کا عکس صورت میں بھی دیکھ لیتی ہیں۔ اگرچہ اس کو غازہ اور پوڈر سے کتنا ہی چھپانے کی کوشش کی جائے۔'' (تدبر قرآن ۲/۵۵۱)

البیان

جاوید احمد غامدی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ التوبہ

(۸)

(گذشتہ سے پیوستہ)

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

وَجَآءَ الۡمُعَذِّرُوۡنَ مِنَ الۡاَعۡرَابِ لِیُؤۡذَنَ لَهُمۡ وَقَعَدَ الَّذِیۡنَ کَذَبُوا اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ
سَیُصِیۡبُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مِنۡهُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ﴿۹۰﴾
لَیۡسَ عَلَی الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَی الۡمَرۡضٰی وَلَا عَلَی الَّذِیۡنَ لَا یَجِدُوۡنَ مَا یُنۡفِقُوۡنَ

بدوی[۲۵۶] عربوں میں سے بھی بہانہ کرنے والے آئے کہ اُنھیں بھی (پیچھے رہنے کی) اجازت مل جائے اور جنھوں نے اللہ اور اُس کے رسول سے (ایمان کا) جھوٹا عہد کیا تھا، وہ (اِس کے بغیر ہی گھروں میں) بیٹھے رہے۔[۲۵۷] اِن کے منکروں کو عنقریب ایک دردناک عذاب پکڑے گا۔[۲۵۸] ۹۰
اُن لوگوں پر، البتہ کوئی گناہ نہیں جو کمزور ہیں اور اُن پر جو بیمار ہیں اور اُن پر بھی جو خرچ کرنے کے

۲۵۶؎ پیچھے شہری منافقین کا رویہ زیر بحث تھا جو مدینہ اور اُس کے گردونواح میں رہتے تھے۔ یہاں سے آگے اُن منافقین کا ذکر شروع ہوتا ہے جو دیہات میں رہتے تھے۔

۲۵۷؎ یعنی کوئی جھوٹا سچا عذر پیش کرنے کی زحمت بھی نہیں اٹھائی۔

۲۵۸؎ یعنی اِن بدوی عربوں کے منکروں کو۔ یہ اِس لیے فرمایا ہے کہ اِن میں سچے اہل ایمان بھی تھے جو دین کی نصرت کے ہر موقع پر ایثار و قربانی کے لیے پیش پیش رہتے تھے۔

حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ
رَّحِيْمٌ ﴿۹۱﴾ وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ
عَلَيْهِ تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ﴿۹۲﴾ اِنَّمَا
السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ وَهُمْ اَغْنِيَآءُ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ
وَطَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۹۳﴾

لیے کچھ نہیں پاتے، جبکہ وہ اللہ اور اُس کے رسول کی خیر خواہی کرتے رہیں[۲۵۹]۔ ایسے نیک کاروں پر کوئی الزام نہیں ہے اور اللہ بخشنے والا ہے، اُس کی شفقت ابدی ہے۔ اِسی طرح اُن پر بھی کوئی الزام نہیں ہے کہ جب تمھارے پاس آتے ہیں کہ اُن کے لیے سواری کا بندوبست کردو، تم کہتے ہو کہ میں تمھارے لیے سواری کا بندوبست نہیں کرسکتا تو اِس طرح لوٹتے ہیں کہ اُن کی آنکھوں سے اِس غم میں آنسو بہ رہے ہوتے ہیں کہ وہ اپنے خرچ پر جانے کی مقدرت نہیں رکھتے۔ الزام تو اُن لوگوں پر ہے جو تم سے رخصت مانگتے ہیں، دراں حالیکہ وہ مال دار ہیں۔ وہ اِس پر راضی ہوگئے کہ اُن کے ساتھ ہوں جو پیچھے (گھروں میں) بیٹھنے والی ہیں اور اللہ نے (اِس کے نتیجے میں) اُن کے دلوں پر مہر کردی۔ اب وہ کچھ نہیں جانتے (کہ کس انجام کی طرف بڑھ رہے ہیں)۔ ۹۱-۹۳

۲۵۹؎ یہ قید نہایت اہم ہے۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

''...اِس لیے کہ بہت سے مریض اور غریب ایسے بھی ہوسکتے ہیں جو گھر بیٹھے بیٹھے اپنی ریشہ دوانیوں اور فتنہ پردازیوں سے اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی کوشش کریں۔ اِس قسم کے لوگ گناہ سے بری نہیں ہوں گے۔ گناہ سے بری صرف وہی ہوں گے جو اپنی کمزوری، بیماری یا غربت کے سبب سے اگر میدان جنگ میں نہ پہنچ سکیں تو جہاں ہیں، وہیں اپنے امکان کے حد تک اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کریں اور اگر کچھ نہیں کرسکتے تو اپنے اپنے بستروں پر اور گھروں میں صدق دل سے اسلام اور مسلمانوں کی فتح مندی کی دعائیں اور اپنی محرومی پر غم کریں کہ افسوس ہے کہ وہ جہاد کے اہل نہیں رہے۔'' (تدبر قرآن ۳/۶۲۶)

يَعۡتَذِرُوۡنَ اِلَيۡكُمۡ اِذَا رَجَعۡتُمۡ اِلَيۡهِمۡ قُلۡ لَّا تَعۡتَذِرُوۡا لَنۡ نُّؤۡمِنَ لَكُمۡ قَدۡ نَبَّاَنَا
اللّٰهُ مِنۡ اَخۡبَارِكُمۡ وَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمۡ وَرَسُوۡلُهٗ ثُمَّ تُرَدُّوۡنَ اِلٰى عٰلِمِ الۡغَيۡبِ
وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمۡ بِمَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۹۴﴾ سَيَحۡلِفُوۡنَ بِاللّٰهِ لَكُمۡ اِذَا انۡقَلَبۡتُمۡ
اِلَيۡهِمۡ لِتُعۡرِضُوۡا عَنۡهُمۡ فَاَعۡرِضُوۡا عَنۡهُمۡ اِنَّهُمۡ رِجۡسٌ وَّمَاۡوٰهُمۡ جَهَنَّمُ جَزَآءًۢ بِمَا
كَانُوۡا يَكۡسِبُوۡنَ ﴿۹۵﴾ يَحۡلِفُوۡنَ لَكُمۡ لِتَرۡضَوۡا عَنۡهُمۡ فَاِنۡ تَرۡضَوۡا عَنۡهُمۡ فَاِنَّ

تم لوگ (اِس سفر سے) اُن کی طرف پلٹو گے تو وہ تمھارے سامنے طرح طرح کے عذرات پیش کریں گے۔تم صاف کہہ دینا کہ بہانے نہ بناؤ۔ہم تمھاری کسی بات کا اعتبار نہ کریں گے۔اللہ نے ہم کو تمھارے حالات بتا دیے ہیں[۲۶۰]۔اب اللہ اور اُس کا رسول تمھارا عمل دیکھیں گے، پھر تم اُس کے سامنے پیش کیے جاؤ گے جو کھلے اور چھپے کا جاننے والا ہے اور وہ تمھیں بتا دے گا جو کچھ تم کرتے رہے ہو۔تمھاری واپسی پر وہ تمھارے سامنے اللہ کی قسمیں کھائیں گے کہ تم اُن سے صرف نظر کرو۔تو اُن سے صرف نظر ہی کر لو[۲۶۱]، اِس لیے کہ وہ سراسر گندگی ہیں اور اُس کے بدلے میں جو کماتے رہے، اُن کا ٹھکانا

۲۶۰؎ آیت میں خطاب مسلمانوں سے ہے اور اُنھی کے لحاظ سے ہر جگہ جمع کے صیغے استعمال ہوئے ہیں، مگر لفظ 'قُلْ' واحد ہے۔اِس کی وجہ کیا ہے؟ استاذ امام امین احسن اصلاحی نے وضاحت فرمائی ہے۔وہ لکھتے ہیں:

''...اِس سے یہ بات نکلتی ہے کہ یہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے سب مسلمانوں کی طرف سے منافقین کو جواب دلوادیا گیا ہے۔گویا پیغمبر کی زبان تمام مومنین مخلصین کے دلوں کی ترجمان ہے۔پیغمبر اور امت کے درمیان جو اعتماد، جو حسن ظن اور جو کامل ہم آہنگی تھی، یہ اسلوب اُس کو بھی نہایت لطیف طریقے سے ظاہر کر رہا ہے اور اِس میں منافقین پر تعریض کا جو پہلو ہے، وہ بھی نمایاں ہو رہا ہے۔'' (تدبر قرآن ۳/۶۲۷)

۲۶۱؎ اصل میں لفظ 'اِعْرَاض' آیا ہے۔یہ، اگر غور کیجیے تو نہایت بلاغت کے ساتھ دو مختلف، بلکہ متضاد معنوں میں استعمال ہوا ہے۔پہلے درگذر کر لینے کے معنی میں اور اِس کے بعد منہ پھیر لینے کے مفہوم میں۔یعنی وہ تم کو راضی کرنے کی کوشش کریں گے کہ جو کچھ ہو چکا ہے، اُسے نظر انداز کرو۔سو ٹھیک ہے، اُنھیں اب نظر انداز ہی کر دو۔اِس طرح کی گندگی کو نظر انداز کر دینا ہی بہتر ہے۔

اللّٰهَ لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿٩٦﴾ اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا وَّاَجْدَرُ
اَلَّا يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿٩٧﴾
وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يَّتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ مَغْرَمًا وَّيَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَآئِرَ عَلَيْهِمْ
دَآئِرَةُ السَّوْءِ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿٩٨﴾ وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ
الْاٰخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ اَلَآ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ
سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٩٩﴾

جہنم ہے۔ وہ تمھارے سامنے قسمیں کھائیں گے کہ تم اُن سے راضی ہو جاؤ۔ سو اگر تم راضی ہو بھی جاؤ تو ایسے بدعہدوں سے اللہ ہرگز راضی ہونے والا نہیں ہے۔ یہ بدوی عرب کفر اور نفاق میں زیادہ سخت اور اِسی لائق ہیں کہ اللہ نے اپنے رسول پر جو کچھ اتارا ہے، اُس کے حدود سے بے خبر رہیں[٢٦٢]۔ اللہ سب کچھ جانتا ہے، وہ بڑی حکمت والا ہے۔ ٩٤-٩٧

اِن بدویوں میں وہ بھی ہیں جو خدا کی راہ میں خرچ کو ایک تاوان سمجھتے ہیں اور تمھارے لیے زمانے کی گردشوں کے منتظر ہیں۔ بری گردش اِنھی پر ہے اور اللہ سب کچھ سنتا اور سب کچھ جانتا ہے۔ اور اِنھی بدویوں میں وہ لوگ بھی ہیں جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر سچا ایمان رکھتے ہیں اور جو کچھ خرچ کرتے ہیں، اُس کو اور رسول کی دعاؤں کو[٢٦٣] خدا کے ہاں تقرب کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ سو اِس میں شبہ نہیں کہ یہ دونوں اُن کے لیے تقرب کا ذریعہ ہیں[٢٦٤]۔ اللہ اُن کو ضرور اپنی رحمت میں داخل کرے گا۔ یقیناً اللہ بخشنے والا ہے، اُس کی شفقت ابدی ہے۔ ٩٨-٩٩

٢٦٢؎ اِس لیے کہ اُنھوں نے کبھی اِن حدود کو سمجھنے اور اِن میں بصیرت پیدا کرنے کی کوشش ہی نہیں کی اور اللہ کا معاملہ یہ ہے کہ وہ یہ سمجھ اور بصیرت اُنھی کو عطا فرماتا ہے جو اپنے آپ کو اِس کا سزاوار ثابت کرتے ہیں۔

٢٦٣؎ یعنی وہ دعائیں جو اُن کے ایمان واخلاص اور اِس انفاق کے نتیجے میں اُن کو حاصل ہوتی ہیں۔

٢٦٤؎ اصل الفاظ ہیں: 'اَلَآ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ'۔ اِن میں ضمیر مونث سے غلط فہمی نہ ہو۔ قرآن جس زبان میں

نازل ہوا ہے، اُس کا ایک قاعدہ یہ بھی ہے کہ جب ایک مذکر اور مونث کو جمع کر کے اُن کے لیے کوئی منصوب یا مجرور ضمیر لانا پیش نظر ہو تو وہ جس طرح عام قاعدے کے مطابق مثنیٰ صورت میں آتی ہے، اِسی طرح اگر معنی میں ابہام کا اندیشہ نہ ہو اور مذکر و مونث، دونوں کی طرف ضمیر کے رجوع کے قرائن بالکل واضح ہوں تو واحد مونث بھی آ سکتی ہے، بلکہ کلام عرب کے تتبع سے معلوم ہوتا ہے کہ اِس طرح کے مواقع پر یہ بالعموم واحد مونث ہی آتی ہے۔

[باقی]

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

امین احسن اصلاحی
ترتیب وتدوین: خالد مسعود۔سعید احمد

لباس پہننے کے بارے میں روایات

(مَا جَاءَ فِیُ لُبُسِ الثِّیَابِ لِلُجَمَالِ بِھَا)

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

حَدَّثَنِیُ عَنُ مَالِكٍ عَنُ زَیُدِ ابُنِ اَسُلَمَ عَنُ جَابِرِ بُنِ عَبُدِ اللّٰهِ الْاَنُصَارِیِّ اَنَّهُ قَالَ خَرَجُنَا مَعَ رَسُوُلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیُهِ وَسَلَّمَ فِیُ غَزُوَةِ بَنِی اَنُمَارٍ قَالَ جَابِرٌ فَبَیُنَا اَنَا نَازِلٌ تَحُتَ شَجَرَةٍ اِذَا رَسُوُلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیُهِ وَسَلَّمَ اَقُبَلَ فَقُلُتُ یَا رَسُوُلَ اللّٰهِ هَلُمَّ اِلَی الظِّلِّ قَالَ فَنَزَلَ رَسُوُلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیُهِ وَسَلَّمَ فَقُمُتُ اِلَی غِرَارَةٍ لَنَا فَالُتَمَسُتُ فِیُهَا شَیُئًا فَوَجَدُتُ فِیُهَا جِرُوَ قِثَّاءٍ فَکَسَرُتُهُ ثُمَّ قَرَّبُتُهُ اِلَی رَسُوُلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیُهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مِنُ اَیُنَ لَکُمُ هٰذَا قَالَ فَقُلُتُ خَرَجُنَا بِهِ یَا رَسُوُلَ اللّٰهِ مِنَ الُمَدِیُنَةِ قَالَ جَابِرٌ وَ عِنُدَنَا صَاحِبٌ لَنَا نُجَهِّزُهُ یَذُهَبُ یَرُعَی قَالَ فَجَهَّزُتُهُ ثُمَّ اَدُبَرَ یَذُهَبُ فِی الظُّهُرِ وَ عَلَیُهِ بُرُدَانِ لَهُ قَدُ خَلَقَا قَالَ فَنَظَرَ رَسُوُلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیُهِ وَسَلَّمَ اِلَیُهِ فَقَالَ اَمَالَهُ ثَوُبَانِ غَیُرُ هٰذَیُنِ فَقُلُتُ بَلٰی یَارَسُوُلَ اللّٰهِ لَهُ ثَوُبَانِ فِی الُعَیُبَةِ کَسَوُتُهُ اِیَّاهُمَا قَالَ فَادُعُهُ فَمُرُهُ فَلْیَلُبَسُهُمَا قَالَ فَدَعَوُتُهُ

فَلَبِسَهُمَا ثُمَّ وَلَّى يَذْهَبُ قَالَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَالَهُ ضَرَبَ اللّٰهُ عُنُقَهُ اَلَيْسَ هٰذَا خَيْرًا لَهُ قَالَ فَسَمِعَهُ الرَّجُلُ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ قَالَ فَقُتِلَ الرَّجُلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ.

جابر بن عبداللہ انصاری کہتے ہیں کہ ہم ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ بنی انمار میں نکلے۔ جابر کہتے ہیں کہ میں ایک درخت کے نیچے ٹھہرا ہوا تھا۔ اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو میں نے کہا: حضور، سائے میں آ جائیے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی وہیں اترے۔ میں نے اٹھ کر اپنے توشہ دان کا جائزہ لیا تو اس میں ایک چھوٹی سی ککڑی مل گئی۔ میں نے اس کو توڑا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کی۔ آپ نے پوچھا: بھئی تمھیں یہ کہاں سے مل گئی؟ میں نے کہا: یارسول اللہ ہم یہ مدینہ سے لائے ہیں۔ جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس ایک ہمارا آدمی تھا جس کو ہم سواریوں کو چرانے کے لیے بھیجا کرتے تھے۔ میں نے اس کو تیار کیا۔ وہ سواری کے جانور لے کر جانے لگا تو وہ اپنے اوپر دو چادریں لیے ہوئے تھا جو پرانی ہو چکی تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ کیا اس کے پاس ان دو کپڑوں کے علاوہ دو چادریں نہیں؟ میں نے کہا: یارسول اللہ، گٹھڑی میں اس کے دو کپڑے اور ہیں جو میں نے اسے پہننے کے لیے دے رکھے ہیں۔ آپ نے فرمایا: اس کو بلاؤ اور کہو کہ وہ دوسرے کپڑے پہنے۔ میں نے بلایا تو اس نے وہ کپڑے پہن لیے۔ پھر وہ جانے کے لیے مڑا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ اس کی گردن مارے۔ کیا یہ حالت پہلی سے بہتر نہیں؟ اس شخص نے یہ بات سن لی اور کہا: یارسول اللہ، اللہ میری گردن اپنے راستے میں مارے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں اللہ کی راہ میں ہو۔ بعد میں وہ شخص اللہ کی راہ میں شہید ہوا۔

وضاحت

مزدور دو بوسیدہ چادریں باندھے ہوئے تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا کہ اس کے پاس اچھے کپڑے بھی

ہیں تو اس کو بلوایا اور دوسرے کپڑے پہننے کا حکم دیا۔ ان کپڑوں میں وہ بھلا آدمی لگا تو حضور نے اس کے لیے بہت شان دار کلمے کہے کہ خدا کے بندے اب تمھاری شکل نکلی کہ نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ مہذب، شائستہ اور صاف ستھرا رہنا تقویٰ کے منافی نہیں، بلکہ اسلام کا تقاضا ہے۔ اس سے آدمی بھلا معلوم ہوتا ہے۔ غریبوں کو بھی اس کا خیال رکھنا چاہیے۔ ہمارے ہاں بے شمار آدمی اس طرح ملیچھ بنے رہتے ہیں کہ ان کو دیکھ کر وحشت ہوتی ہے، لیکن ان کے چوہدریوں کو احساس نہیں ہوتا کہ ان کو صاف ستھرا رہنے میں مدد دیں یا اس کی تلقین کریں۔ پس معلوم ہوا کہ شائستہ اور صاف ستھرا رہنا اللہ اور اس کے رسول کو پسند ہے۔ اور جن لوگوں کے ہاتھ میں معاملات کی باگ ڈور ہے وہ اپنی قوم کے افراد کو مہذب بنانے کی کوشش کریں، ان کو تعلیم دیں اور ان کے لیے وسائل بھی پیدا کریں۔

'ضرب اللّٰہ عنقہ' (اللہ اس کی گردن مارے) عربی میں پیار کا کلمہ ہے۔ یہ بددعا نہیں ہے۔ ہمارے ہاں بھی لوگ جب کہتے ہیں 'تمھاری ماں مرے' تو یہ بھی پیار کا کلمہ ہوتا ہے۔ اس کا مفہوم بددعا کا نہیں ہوتا۔ آنحضرت نے بھی آدمی کی تحسین کے لیے یہ جملہ استعمال کیا کہ دیکھو پہلے کی نسبت یہ کتنا اچھا لگ رہا ہے۔ آدمی سمجھ دار تھا، اس نے کلمات کو لفظی معنی میں لے کر درخواست کر دی کہ یا رسول اللہ یہ بھی دعا کیجیے کہ یہ گردن اللہ کی راہ میں ماری جائے۔ دیکھیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے اس وقت جو مبارک کلمہ نکل گیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو حقیقت بنا دیا۔ آپ نے جو فرمایا کہ اللہ کے راستے میں گردن ماری جائے تو وہ شخص جہاد میں شریک ہوا اور شہادت کا رتبہ پایا۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

حَدَّثَنِی عَنْ مَالِكٍ عَنْ اَیُّوبَ بْنِ اَبِی تَمِیمَةَ عَنِ ابْنِ سِیرِینَ قَالَ قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ اِذَا اَوْسَعَ اللّٰهُ عَلَیْكُمْ فَأَوْسِعُوا عَلَى أَنْفُسِكُمْ جَمَعَ رَجُلٌ عَلَیْهِ ثِیَابَهُ.

ابن سیرین کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ تم کو وسعت بخشے تو تم بھی اپنے اوپر وسعت کرو۔ ایک شخص نے اپنے کپڑوں پر پیوند لگا رکھے تھے۔

وضاحت

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق آیا ہے کہ ان کے کپڑوں میں چھ چھ پیوند لگے رہتے تھے، حالانکہ وہ وقت کے

خلیفہ تھے۔ ذاتی حیثیت میں وہ غریب آدمی نہ تھے اور اتنا ذی صلاحیت آدمی اتنا غریب ہو بھی کیسے سکتا ہے۔ لیکن جب وہ خلیفہ تھے تو اتنی خستہ حالت میں کیوں رہتے تھے، جبکہ ان کا مسلک یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے فراخی عطا کی ہے تو اپنے نفس کے لیے بھی فراخی ہونی چاہیے۔ دراصل یہ دوسرا شعبہ ہے۔ ایک وہ شخص ہوتا ہے جو دوسروں کے لیے نمونہ ہوتا ہے تو اس کے لیے بہرحال وہ معیار ہونا چاہیے جس کی غریب سے غریب آدمی بھی تقلید کر سکے۔ لہٰذا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اپنا عمل عوام کے ایک لیڈر کی حیثیت سے ہے۔ ہمارا عمل اس سے الگ ہونا چاہیے۔ صاف ستھرے کپڑے پہننے چاہییں تا کہ آدمی حقیر نہ معلوم ہو۔ اس کے لباس کا دوسروں پر اچھا اثر پڑے۔ لوگ اس کی صحبت سے وحشت زدہ نہ ہوں، بلکہ پسند کریں۔

حَدَّثَنِی عَنْ مَالِكٍ اَنَّهُ بَلَغَهُ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَالَ اِنِّی لَاُحِبُّ اَنْ اَنْظُرَ اِلَی الْقَارِئِ اَبْیَضَ الثِّیَابِ.

امام مالک کہتے ہیں کہ ان کو یہ بات پہنچی کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ مجھے یہ بات محبوب ہے کہ میں قاری کو سفید کپڑوں میں دیکھوں۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

وضاحت

قاری کا لفظ عربی میں عالم دین کے لیے بولا جاتا ہے جیسے ہم مولوی صاحب کا لفظ بولتے ہیں۔ یہ خاص لفظ قرآن مجید کے عالم کے لیے ہے، کیونکہ اس زمانے میں قرآن ہی تمام علوم کا مجموعہ تھا اور اسی کے علم سے آدمی کا علم تولا جاتا تھا۔ لہٰذا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مدعا یہ ہے کہ مولوی صاحب کو خوش لباس ہونا چاہیے۔ ان کو سفید کپڑے پہننے چاہییں یعنی سنجیدہ لباس میں ہونا چاہیے اور فیشن سے اجتناب کرنا چاہیے۔

اس روایت سے یہ بات معلوم ہوئی کہ خلیفۂ وقت کو قوم کے مزاج کا علم ہوتا ہے اور تمام پہلوؤں پر اس کی نظر ہوتی ہے۔ وہ برابر ہر طبقے کی رہنمائی کرتا رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایرانی سپہ سالار رستم کہا کرتا تھا کہ ''یہ عمر تو میرا کلیجہ کھا گیا، یہ کتوں کو آداب سکھا رہا ہے۔'' (خاکم بدہن) یہ واقعہ ہے کہ عربوں کو دنیا کی قیادت کے لیے تیار کرنے کا جن لوگوں نے کام کیا، ان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر سب سے شاندار رول سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا ہے۔

رنگ دار کپڑے اور سونا پہننے کے بارے میں

(مَا جاءَ فِیْ لُبُسِ الثِّیَابِ الْمُصَبَّغَةِ وَالذَّهَبِ)

حَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِكٍ عَنْ نَافِعٍ أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ یَلْبَسُ الثَّوْبَ الْمَصْبُوْغَ بِالْمَشْقِ وَالثَّوْبَ الْمَصْبُوْغَ بِالزَّعْفَرَانِ.

نافع روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ گیروے رنگے ہوئے اور زعفران سے رنگے ہوئے کپڑے پہنا کرتے تھے۔

وضاحت

'مشق'، گیروا یا مٹیالا رنگ جو جوگیوں اور صوفیوں کا ہے۔ یہ رنگ بہت باوقار ہے۔ یہ ایک قدرتی رنگ ہے۔ بعض علاقوں میں اس رنگ کی روئی بھی پیدا ہوتی ہے۔ اس طرح کے کپڑے مصنوعی رنگ میں بھی ملتے ہیں۔ زعفران کے متعلق روایات میں اختلاف ہے۔ ہلکے رنگ میں تو کوئی قباحت نہیں، لیکن گہرا ہو تو اس پر زنانہ پن غالب آجاتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ جن روایات سے لوگ اس کے خلاف دلیل لائے ہیں، وہ احرام سے متعلق ہیں۔ احرام میں چونکہ زعفرانی رنگ جائز نہیں، اس لیے اس کو لوگوں نے ناجائز قرار دے دیا۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بڑے محتاط آدمی ہیں۔ وہ اگر زعفران سے رنگا ہوا کپڑا پہنتے تھے تو اس کے جائز ہونے میں کلام نہیں۔ ہلکا زعفرانی رنگ بہت اچھا اور خوش گوار ہوتا ہے۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

قَالَ یَحْیٰی وَسَمِعْتُ مَالِكًا یَقُوْلُ وَاَنَا اَكْرَهُ اَنْ یَلْبَسَ الْغِلْمَانُ شَیْئًا مِنَ الذَّهَبِ لِاَنَّهُ بَلَغَنِیْ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَهٰی عَنْ تَخَتُّمِ الذَّهَبِ فَاَنَا اَكْرَهُهُ لِلرِّجَالِ الْكَبِیْرِ مِنْهُمْ وَالصَّغِیْرِ.

یحییٰ کہتے ہیں کہ میں نے مالک کو کہتے سنا کہ میں مکروہ سمجھتا ہوں کہ لڑکے سونے کی کوئی چیز پہنیں

کیونکہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے کی انگوٹھی پہننے سے روکا ہے، تو میں بڑے اور چھوٹے کے لیے اس کو مکروہ سمجھتا ہوں۔

وضاحت

امام صاحب کا یہ فتویٰ ٹھیک ہے۔ سونے کی کوئی چیز پہننا کسی مہذب آدمی کے لیے درست نہیں۔ اس زمانے میں لوگ فخریہ سونے کی زنجیر، انگوٹھیاں اور کانوں کا زیور استعمال کرتے ہیں۔ یہ بے حد ناپسندیدہ رواج ہے۔

قَالَ يَحْيٰى وَسَمِعْتُ مَالِكًا يَقُوْلُ فِي الْمَلَاحِفِ الْمُعَصْفَرَةِ فِي الْبُيُوْتِ لِلرِّجَالِ وَ فِي الْاَفْنِيَةِ قَالَ لَا اَعْلَمُ مِنْ ذٰلِكَ شَيْئًا حَرَامًا وَغَيْرُ ذٰلِكَ مِنَ اللِّبَاسِ اَحَبُّ اِلَيَّ.

یحییٰ کہتے ہیں کہ میں نے مالک سے سنا۔ وہ کہتے تھے کہ وہ زرد گوں لحاف جو مردوں کے لیے گھروں میں اور صحنوں میں رکھے ہوتے ہیں، اس میں کسی چیز کو حرام تو نہیں جانتا، لیکن پسندیدہ یہی ہے کہ پہننے کی چیز اس کے علاوہ ہو۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

وضاحت

لحاف اور کمبل عام طور پر رنگین اور اکثر ریشمی ہوتے ہیں۔ امام مالک کے نزدیک ان سے اجتناب بہتر ہے اگرچہ ان کا استعمال حرام نہیں۔

ریشم پہننے کے بارے میں

(مَا جَاءَ فِيْ لُبْسِ الْخَزِّ)

حَدَّثَنِيْ مَالِكٌ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ

صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهَا کَسَتْ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ الزُّبَیْرِ مِطْرَفَ خَزٍّ کَانَتْ عَائِشَةُ تَلْبَسُهُ.

ہشام اپنے باپ عروہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک ریشمی مطرف عبداللہ بن زبیر کو پہنایا جو حضرت عائشہ خود پہنا کرتی تھیں۔

وضاحت

مطرف سے مراد وہ اونی کپڑا ہے جس کا تانا ریشم کا اور بانا اون کا ہوتا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اگر یہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو پہننے کے لیے دیا تو اس کے جائز ہونے میں کوئی کلام نہیں۔ کپڑا اگر پورے کا پورا ریشم ہو تو پھر سوال پیدا ہو جاتا ہے۔ کیونکہ ریشم کا پہننا مردوں کے لیے بالاتفاق جائز نہیں۔ تاہم اگر کسی اور چیز میں ریشم ملا ہوا ہو تو احتیاط کرنی چاہیے، اگرچہ اس کو حرام نہیں کہہ سکتے۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

عورتوں کے لیے کون سا کپڑا پہننا مکروہ ہے

(مَا یُکْرَهُ لِلنِّسَاءِ لُبْسُهُ مِنَ الثِّیَابِ)

حَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِكٍ عَنْ عَلْقَمَةَ ابْنِ اَبِیْ عَلْقَمَةَ عَنْ اُمِّهٖ اَنَّهَا قَالَتْ دَخَلَتْ حَفْصَةُ بِنْتُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَلَی عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَی حَفْصَةَ خِمَارٌ رَقِیْقٌ فَشَقَّتْهُ عَائِشَةُ وَکَسَتْهَا خِمَارًا کَثِیْفًا.

علقمہ بن ابی علقمہ کی والدہ بیان کرتی ہیں کہ حفصہ بنت عبدالرحمٰن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئیں تو حفصہ نے اپنے اوپر ایک باریک اوڑھنی لے رکھی تھی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کو پھاڑ کر پھینک دیا اور ان کو ایک موٹی اوڑھنی پہنا دی۔

وضاحت

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس عمل سے معلوم ہوا کہ عورت کو سر ڈھانپنا بھی چاہیے اور دوپٹہ دبیز بھی ہو۔ اگر باریک اوڑھنی ہوا سے اڑ جائے تو اس پہناوے کا کیا فائدہ؟ آج کل کے دوپٹے تو محض تہمت ہی ہیں۔ عورتیں سر سے زیادہ ان کو گلے میں پہنتی ہیں۔ دین میں ان کی کوئی حیثیت نہیں۔

حَدَّثَنِی عَنْ مَالِكٍ عَنْ مُسْلِمِ بْنِ أَبِی مَرْيَمَ عَنْ أَبِی صَالِحٍ عَنْ أَبِی هُرَيْرَةَ أَنَّهُ قَالَ نِسَاءٌ كَاسِيَاتٌ عَارِيَاتٌ مَائِلَاتٌ مُمِيلَاتٌ لَا يَدْخُلْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يَجِدْنَ رِيحَهَا وَ رِيحُهَا يُوجَدُ مِنْ مَسِيرَةِ خَمْسِ مِائَةِ عَامٍ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عورتیں کپڑے پہنے ہوئے بھی عریاں، مٹکنے مٹکانے والی جنت میں داخل نہیں ہوں گی اور اس کی خوشبو بھی نہیں سونگھیں گی اگر چہ اس کی خوشبو پانچ سو سال کی مسافت پر محسوس ہوگی۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

وضاحت

'کاسیات عاریات' کا مطلب 'جامے کے اندر پاجامے سے باہر' ہے۔ وہ لباس پہنے ہوئے بھی عریاں نظر آتی ہیں اور ان کا انگ انگ دیکھا جا سکتا ہے۔ 'مائلات' کے معنی حق سے منحرف کے کیے گئے ہیں۔ لہٰذا 'مائلات' 'ممیلات' سے مراد یہ ہوگی کہ خود بھی سیدھی راہ سے ہٹی ہوتی ہیں اور خاوند کو بھی ہٹاتی ہیں۔ میرے نزدیک یہ معنی صحیح نہیں۔ اصل میں مراد ہے مٹکنے مٹکانے والی، یعنی وہ گردن اور جسم کو مٹکاتی ہوئی چلتی ہیں اور دوسروں کو اپنی جانب متوجہ کرتی ہیں۔ ایسی عورتیں جنت کی خوشبو بھی نہ سونگھ سکیں گی۔ پانچ سو سال کی مسافت تعبیر ہے ایک طویل فاصلہ کی۔ یہ روایت ابو ہریرہ سے ہے جبکہ اس کے تیور ایسے ہیں کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہوگا۔ بعض راویوں نے اس کو مرفوع بیان کیا ہے۔

حَدَّثَنِی عَنْ مَالِكٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَامَ مِنَ اللَّيْلِ فَنَظَرَ فِی أُفُقِ السَّمَاءِ فَقَالَ مَاذَا فُتِحَ

اللَّيُلَةَ مِنَ الخَزَائِنِ وَمَا ذَا وَقَعَ مِنَ الُفِتَنِ كَمُ مِنُ كَاسِيَةٍ فِی الدُّنُيَا عَارِيَةٌ يَوُمَ الُقِيَامَةِ اَيُقِظُوُا صَوَاحِبَ الُحُجَرِ.

ابن شہاب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک رات اٹھے۔ آسمان کی طرف نگاہ اٹھائی تو زبان سے یہ کلمہ نکلا۔ سبحان اللہ! آج کی رات کیا کیا خزانے کھولے گئے ہیں اور کیا کیا فتنے واقع ہوئے ہیں۔ کتنی ہی جامہ پوش جو دنیا میں ہیں، وہ قیامت کے روز عریاں ہوں گی۔ ان کوٹھڑی والیوں کو جگاؤ کہ (اللہ کو یاد کریں)۔

وضاحت

یہ ایک حقیقت بیان ہوئی ہے، لیکن اس کو دیکھنے کے لیے چشم بصیرت چاہیے کہ ہر وقت خزانوں کی بھی بارش ہوتی رہتی ہے اور لوٹنے والے ان کو لوٹ لیتے ہیں، اور فتنے بھی برپا ہوتے رہتے ہیں اور ان کے رسیا ان کو بھی لوٹ لیتے ہیں۔ یہی راتیں تو ہوتی ہیں جن میں شب بیداری کرنے والے نہ جانے کتنے خزانے پاتے ہیں اور یہی راتیں ہوتی ہیں جن میں لوگوں کی کارستانیوں کی خبریں ہر صبح اخباروں میں آتی ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی کے بارے میں اپنا تاثر بیان فرمایا۔ دوسری بات جس کی طرف آنحضرت نے توجہ دلائی یہ ہے کہ لباس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ جسم کی جو چیزیں چھپانے کی ہیں، ان کو چھپایا جائے۔ موجودہ زمانے کا فیشن یہ ہے کہ جو چیز چھپانے کی ہے، اس کو زیادہ سے زیادہ نمایاں کرنے کے لیے لباس تراشا اور پہنا جاتا ہے۔ اس وقت تمام ممالک میں یہی مذاق فیشن بن چکا ہے۔ قیامت کے دن یہ لباس عریانی قرار پائے گا۔ پچھلی روایت اس دنیا سے متعلق تھی اور یہ روایت قیامت سے متعلق ہے۔ 'صواحب الحجر' سے ازواج مطہرات کی طرف اشارہ ہے کہ وہ جاگیں اور نیکی کے خزانے لوٹیں۔

مرد کے اپنی تہمد لٹکانے کے بارے میں

(مَا جَاءَ فِی اِسُبَالِ الرَّجُلِ ثَوُبَهُ)

حَدَّثَنِی عَنُ مَالِكٍ عَنُ عَبُدِ اللّٰهِ بُنِ دِيُنَارٍ عَنُ عَبُدِ اللّٰهِ بُنِ عُمَرَ اَنَّ

رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الَّذِى يَجُرُّ ثَوْبَهُ خُيَلاءَ لَا يَنْظُرُ اللّٰهُ اِلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ.

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اپنی تہمد غرور سے گھسیٹتا ہوا چلے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف قیامت کے دن نگاہ نہیں کریں گے۔

وضاحت

عرب میں غنڈوں کا طریقہ تھا کہ وہ ریشمی تہمد پہنتے اور اس کو زمین پر گھسیٹتے ہوئے چلتے تھے۔ میں نے اپنے دیہاتوں اور شہروں میں بھی دیکھا ہے کہ بانکے اور چھبیلے لوگ تہمد گھسیٹتے ہوئے چلتے ہیں۔ یہ غرور کی نشانی ہے۔ عام لوگوں میں اگر کسی کی تہمد ڈھیلی رہ جائے تو وہ غرور میں داخل نہیں۔ جو لوگ غرور سے چلیں گے تو خدا ان کی طرف نگاہ نہیں کرے گا، یعنی توجہ یا التفات نہیں کرے گا۔ آخرت میں کامیابی کا انحصار اللہ کی عنایت پر ہوگا۔ لہٰذا جس کی طرف اللہ تعالیٰ کی عنایت ہی نہیں ہوگی تو اس کی بدبختی میں کوئی شبہ ہی نہیں ہوسکتا۔ اس روایت میں اصل چیز 'خیلاء' ہے یعنی غرور واستکبار۔ یہ جس شکل میں بھی ہو اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں۔ قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شرک ہے، اس لیے کہ کبریائی صرف اللہ تعالیٰ کی شان ہے۔ کسی مخلوق کو کوئی حق نہیں کہ اس میں کبریائی ہو۔ اگر کوئی اللہ کی کبریائی میں شریک ہوتا ہے تو وہ شرک کا مرتکب ہوتا ہے۔

بعض مواقع ایسے ہوتے ہیں کہ ایک ڈھب کی چال ان میں جائز ہوتی ہے، مثلاً جہاں اسلام کی شان وشوکت کو نمایاں کرنا ہو۔ کسی غزوہ کے دن آنحضرت نے ایک سپاہی کو دیکھا کہ بہت اکڑے ہوئے نکلے اور 'ھل من مبارز' (ہے کوئی مقابلہ کرنے والا) کا نعرہ لگایا۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو یہ چال بہت ناپسند ہے، لیکن آج کے دن یہ محبوب ہے۔ معلوم ہوا کہ اہل کفر کے مقابلے میں اسلام کی قوت اور شان کا مظاہرہ کیا جاسکتا ہے۔ یہ مستثنیٰ ہے۔

حَدَّثَنِى عَنْ مَالِكٍ عَنْ اَبِى الزِّنَادِ عَنِ الْاَعْرَجِ عَنْ اَبِى هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَنْظُرُ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى يَوْمَ الْقِيَامَةِ اِلٰى مَنْ يَجُرُّ اِزَارَهُ بَطَرًا.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

قیامت کے روز اس شخص کی طرف نہیں دیکھے گا جو اپنا تہمد غرور سے گھسیٹتا ہوا چلتا ہے۔

حَدَّثَنِی عَنْ مَالِكٍ عَنْ نَافِعٍ وَ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِیْنَارٍ وَ زَیْدِ بْنِ اَسْلَمَ کُلُّهُمْ یُخْبِرُهُ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا یَنْظُرُ اللّٰهُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ اِلَی مَنْ یَجُرُّ ثَوْبَهٗ خُیَلَاءَ.

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نگاہ نہیں کرے گا قیامت کے روز ان لوگوں کی طرف جو اپنا تہمد غرور کے باعث گھسیٹتے ہوئے چلتے ہیں۔

حَدَّثَنِی عَنْ مَالِكٍ عَنِ الْعَلَاءِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ اَبِیْهِ اَنَّهٗ قَالَ سَاَلْتُ اَبَا سَعِیْدٍ الْخُدْرِیَّ عَنِ الْاِزَارِ، فَقَالَ اَنَا اُخْبِرُكَ بِعِلْمٍ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اُزْرَةُ الْمُؤْمِنِ اِلَی اِنْصَافِ سَاقَیْهِ لَا جُنَاحَ عَلَیْهِ فِیْمَا بَیْنَهٗ وَ بَیْنَ الْکَعْبَیْنِ مَا اَسْفَلَ مِنْ ذٰلِكَ فَفِی النَّارِ مَا اَسْفَلَ مِنْ ذٰلِكَ فَفِی النَّارِ لَا یَنْظُرُ اللّٰهُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ اِلَی مَنْ جَرَّ اِزَارَهٗ بَطَرًا.

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

علاء بن عبدالرحمٰن اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے ابوسعید خدری سے تہمد کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے کہا کہ ہاں میں تم کو علم کی روشنی میں خبر دیتا ہوں۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ مومن کا تہمد نصف ساق تک ہونا چاہیے۔ نصف ساق اور ٹخنوں کے بین بین ہو تو اس میں کوئی گناہ نہیں۔ اس سے نیچے جو ہے وہ آگ میں ہے، اس سے نیچے جو ہے وہ آگ میں ہے۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس شخص کی طرف نگاہ نہیں کرے گا جو اپنا تہمد غرور سے گھسیٹا ہوا چلتا ہے۔

وضاحت

یہ تمام روایات ایک ہی مضمون کی حامل ہیں۔ ان میں صرف سند اور الفاظ کا فرق ہے۔ آخری روایت میں تہمد کے طول کی حد بندی ہو گئی ہے جو پنڈلی کے نصف اور ٹخنے کے درمیان ہے۔ گویا اصل میں ٹخنے تک کی حد ہے۔ کپڑا

اس سے نیچے نہیں ہونا چاہیے۔ پاجامے اور شلوار کے متعلق بھی یہی حکم ہے۔

عورت کے کپڑا لٹکانے کے بارے میں

(مَا جاءَ فِیُ اِسُبَالِ المَرُاَۃِ ثَوُبَھا)

وَ حَدَّثَنِیُ عَنُ مَالِكٍ عَنُ اَبِیُ بَكْرِ بُنِ نَافِعٍ عَنُ اَبِیُهِ نَافِعٍ مَولَی ابُنِ عُمَرَ عَـنُ صَـفِیَّةَ بِنُتِ اَبِیُ عُبَیُدٍ اَنَّهَا اَخُبَرَتُهُ عَنُ اُمِّ سَلَمَةَ زَوُجِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَـلَیُـهِ وَسَلَّمَ اَنَّهَا قَالَتُ حِینَ ذُکِرَ الُاِزَارُ فَالُمَرُاَۃُ یَا رَسُوُلَ اللّٰهِ قَالَ تُرُخِیُهِ شِبُرًا قَالَتُ اُمُّ سَلَمَةَ اِذًا یَنُکَشِفُ عَنُهَا قَالَ فَذِرَاعًا لَا تَزِیُدُ عَلَیُهِ.

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ انھوں نے فرمایا کہ جب ان کے سامنے تہمد کا ذکر آیا تو انھوں نے کہا: یارسول اللہ! پھر عورت کے بارے میں کیا حکم ہے۔ آپ نے فرمایا: ایک بالشت کے قریب لٹکا لے۔ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا: تب اس کے جسم کا کچھ حصہ (پاؤں) تو کھلا رہے گا۔ آپ نے فرمایا کہ ایک ہاتھ سہی، اس سے زیادہ نہیں کر سکتی۔

وضاحت

اسبال ازار یعنی تہمد لٹکانے کے معاملہ کا تعلق اصلاً مردوں، اور وہ بھی متکبر لوگوں سے ہے، عورتوں سے نہیں۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے جب سنا کہ مردوں کو اسبال ازار سے منع کیا گیا ہے تو انھوں نے پوچھا کہ عورتوں کے لیے کیا حکم ہے۔ آنحضرت نے فرمایا کہ عورتیں اپنا ازار یا تہمد پنڈلی کے نصف سے ایک بالشت نیچے تک لٹکا سکتی ہیں۔ اگر اس سے پاؤں کھلتے ہوں تو بالشت کی بجائے زیادہ سے زیادہ ایک ہاتھ نیچے کر لیں۔ اس سے زیادہ نیچے نہ کریں۔

جاوید احمد غامدی

ترکی میں حدیث کی تدوین جدید

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

حدیث سے متعلق کسی کام کو سمجھنے کے لیے اِس حقیقت کو سمجھنا ضروری ہے کہ دین کا تنہا ماخذ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والاصفات ہے۔ آپ سے یہ دین دو صورتوں میں ہم تک پہنچا ہے: ایک قرآن، دوسرے سنت۔ یہ بالکل یقینی ہیں اور اپنے ثبوت کے لیے کسی تحقیق کے محتاج نہیں ہیں۔ اِنھیں مسلمانوں نے نسلاً بعد نسلٍ اپنے اجماع اور تواتر سے منتقل کیا ہے۔ اِس کے معنی یہ ہیں کہ مسلمانوں کی ہر نسل کے لوگوں نے بغیر کسی اختلاف کے پچھلوں سے لیا اور اگلوں تک پہنچا دیا ہے اور زمانۂ رسالت سے لے کر آج تک یہ سلسلہ اِسی طرح قائم ہے۔

پورا دین اِنھی دو میں محصور ہے اور اُس کے تمام احکام ہم اِنھی سے اخذ کرتے ہیں۔ اِس میں بعض اوقات کوئی مشکل پیش آ جاتی ہے۔ پھر جن معاملات کو ہمارے اجتہاد کے لیے چھوڑ دیا گیا ہے، اُن میں بھی رہنمائی کی ضرورت پڑتی ہے۔ اِس کے لیے دین کے علما کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے پیغمبر تھے، اِس لیے دین کے سب سے پہلے اور سب سے بڑے عالم، بلکہ سب عالموں کے امام بھی آپ ہی تھے۔ دین کے دوسرے عالموں سے الگ آپ کے علم کی ایک خاص بات یہ تھی کہ آپ کا علم بے خطا تھا، اِس لیے کہ اُس کو وحی کی تائید و تصویب حاصل تھی۔ یہ علم اگر کہیں موجود ہو تو ہر مسلمان چاہے گا کہ قرآن وسنت کو سمجھنے کے لیے سب سے پہلے اِسی سے رہنمائی حاصل کرے۔

ہماری خوش قسمتی ہے کہ یہ علم موجود ہے اور اِس کا ایک بڑا حصہ ہم تک پہنچ گیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ علم آپ کے صحابہ نے حاصل کیا تھا، لیکن اِس کو آگے بیان کرنا چونکہ بڑی ذمہ داری کا کام تھا، اِس لیے بعض نے احتیاط برتی اور بعض نے حوصلہ کر کے بیان کر دیا۔ اِس میں وہ چیزیں بھی تھیں جنھیں وہ آپ کی زبان سے سنتے یا

آپ کے عمل میں دیکھتے تھے اور وہ بھی جو آپ کے سامنے کی جاتی تھیں اور آپ اُن سے منع نہیں فرماتے تھے۔ یہی سارا علم ہے جسے 'حدیث' کہا جاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت وسوانح کو جاننے کا سب سے بڑا ذریعہ یہی ہے۔ اِس سے دین میں کسی عقیدہ وعمل کا اضافہ نہیں ہوتا۔ یہ اُسی دین کی شرح ووضاحت اور اُس پر عمل کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کا بیان ہے جو آپ نے قرآن وسنت کی صورت میں اپنے ماننے والوں کو دیا ہے۔

یہ ہم تک کس طرح پہنچا ہے؟ تاریخ بتاتی ہے کہ اِسے حدیثوں کی صورت میں سب سے پہلے صحابہ نے لوگوں تک پہنچایا۔ پھر جن لوگوں نے یہ حدیثیں اُن سے سنیں، اُنھوں نے دوسروں کو سنائیں۔ یہ زبانی بھی سنائی گئیں اور بعض اوقات لکھ کر بھی دی گئیں۔ ایک دو نسلوں تک یہ سلسلہ اِسی طرح چلا، لیکن پھر صاف محسوس ہونے لگا کہ اِن کے بیان کرنے میں کہیں کہیں غلطیاں ہو رہی ہیں اور کچھ لوگ دانستہ اِن میں جھوٹ کی ملاوٹ بھی کر رہے ہیں۔ یہی موقع ہے، جب اللہ کے کچھ بندے اٹھے اور اُنھوں نے اِن حدیثوں کی تحقیق کرنا شروع کی۔ اِنھیں 'محدثین' کہا جاتا ہے۔ یہ بڑے غیر معمولی لوگ تھے۔ اِنھوں نے ایک ایک روایت اور اُس کے بیان کرنے والوں کی تحقیق کر کے، جس حد تک ممکن تھا، غلط اور صحیح کی نشان دہی کی اور جھوٹ کو سچ سے الگ کر دیا۔ پھر اِنھی میں سے بعض نے ایسی کتابیں بھی مرتب کر دیں جن کے بارے میں بڑی حد تک اطمینان کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ اُن میں جو حدیثیں نقل کی گئی ہیں، وہ بیش تر حضور ہی کا علم ہے جو روایت کرنے والوں نے اپنے الفاظ میں بیان کر دیا ہے۔ علم کی زبان میں اِنھیں 'اخبار آحاد' کہتے ہیں۔ اِس کا مطلب یہ ہے کہ اِنھیں صرف گنتی کے لوگوں نے بیان کیا ہے، قرآن وسنت کی طرح یہ اجماع اور تواتر سے منتقل نہیں ہوئی ہیں۔ چنانچہ بالعموم تسلیم کیا جاتا ہے کہ اِن سے جو علم حاصل ہوتا ہے، وہ درجۂ یقین کو نہیں پہنچتا، اُسے زیادہ سے زیادہ ظن غالب قرار دیا جا سکتا ہے۔

حدیث کی جن کتابوں کا ذکر ہوا ہے، وہ سب اپنی جگہ اہم ہیں، مگر امام مالک، امام بخاری اور امام مسلم کی کتابیں بنیادی حیثیت رکھتی ہیں اور بہت مستند خیال کی جاتی ہیں۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ یہ بڑی تحقیق کے بعد مرتب کی گئی ہیں۔ تاہم اِس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ اِن کے مرتب کرنے والوں سے کوئی غلطی نہیں ہوئی۔ اِس علم کے ماہرین جانتے ہیں کہ اُن سے تحقیق میں غلطیاں بھی ہوئی ہیں۔ اِسی بنا پر وہ حدیث کی کتابوں کو برابر جانچتے پرکھتے رہتے ہیں۔ چنانچہ کسی حدیث کے بیان کرنے والوں کو اگر سیرت وکردار اور حفظ واتقان کے لحاظ سے قابل اعتماد نہیں پاتے یا آپس میں اُن کی ملاقات کا امکان نہیں دیکھتے یا اُن کی بیان کردہ حدیث کے مضمون میں دیکھتے ہیں کہ کوئی بات قرآن و

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

سنت کے خلاف ہے یا علم و عقل کے مسلمات کے خلاف ہے تو صاف کہہ دیتے ہیں کہ یہ آں حضرت کی بات نہیں ہو سکتی۔ یہ غلطی سے آپ کی طرف منسوب ہو گئی ہے۔ یہی معاملہ اِن حدیثوں کے فہم اور اِن کی شرح و وضاحت کا ہے۔ اہل علم اِس معاملے میں بھی اپنی تعبیرات اِسی طرح پیش کرتے رہتے ہیں۔

یہ کام ہر دور میں ہوتا رہا ہے۔ ابھی پچھلی صدی میں علامہ ناصر الدین البانی نے اِس سلسلے میں بڑی غیر معمولی خدمت انجام دی ہے اور حدیث کی اکثر کتابوں پر از سر نو تحقیق کر کے اُن کے صحیح اور سقیم کو ایک مرتبہ پھر الگ کرنے کی کوشش کی ہے۔ جمہوریہ ترکی کے اہل علم نے جس کام کا بیڑا اٹھایا ہے، اُس کی نوعیت بھی کم و بیش یہی ہے۔ اُن کے نتائج فکر و تحقیق ابھی سامنے نہیں آئے، لہٰذا اُن کے بارے میں تو کوئی رائے نہیں دی جا سکتی، لیکن کام کی نوعیت سے متعلق جو تفصیلات معلوم ہیں، اُن میں بظاہر کوئی چیز قابل اعتراض نہیں ہے۔ حدیث کی جو حیثیت اوپر بیان ہوئی ہے، اُس کو پیش نظر رکھ کر اگر اِس علم کے مسلمہ قواعد کے مطابق اُس کا جائزہ لیا جائے گا یا اُس کو نئے سرے سے مرتب کیا جائے گا یا اُس کا مدعا سمجھنے اور اُس کے وقتی اور دائمی کو الگ الگ کرنے کی کوشش کی جائے گی تو اِس میں اعتراض کی کیا بات ہو سکتی ہے؟ علم و تحقیق کا دروازہ کسی دور میں اور کسی حال میں بھی بند نہیں کیا جا سکتا۔ اِس کام میں اگر کچھ غلطیاں بھی ہوں گی تو تشویش کی کوئی بات نہیں ہے۔ دوسرے اہل علم اپنی تنقیدات سے اُن کی نشان دہی کر دیں گے۔ علم کی ترقی کا اِس کے سوا کوئی راستہ نہیں ہے کہ لوگوں کو آزادی کے ساتھ کام کرنے دیا جائے۔ نئی راہیں اِسی سے کھلتی ہیں اور اگلوں نے اگر کہیں غلطی کی ہے تو اُس کی اصلاح ہو جاتی ہے۔ ترک اہل علم کی کاوش کو اِسی نگاہ سے دیکھنا چاہیے اور اُن لوگوں کی حوصلہ افزائی کرنی چاہیے جو مسلمانوں کی تاریخ میں پہلی مرتبہ ایک ادارے کی صورت میں یہ خدمت انجام دے رہے ہیں۔ اُن کا کام اگر معیار کے مطابق ہوا تو یہ ایک عظیم خدمت ہو گی اور اگر کم عیار ثابت ہوا تو بے وقعت ہو کر تاریخ کے کوڑے دان کی نذر ہو جائے گا۔ علم کی عدالت بڑی بے رحم ہے۔ وہ جلد یا بدیر اپنا فیصلہ سنا دیتی ہے۔ اِس طرح کے معاملات میں اُسی کے فیصلوں کا انتظار کرنا چاہیے۔

www.javedahmadghamidi.org
www.al-mawrid.org

محمد وسیم اختر مفتی

حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ

حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ نے بنو ازد (بنو اسد: ابن ہشام) میں پرورش پائی۔ قدیم الاسلام تھے۔ ان کا شمار السابقون الاولون میں ہوتا ہے۔ اسلام کی طرف لپکنے والے نفوس قدسیہ میں ان کا نمبر انتالیسواں یا تینتالیسواں تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دار ارقم میں جانے سے پہلے ایمان لائے۔ ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ماں جائے طفیل بن عبداللہ ازدی کے غلام تھے۔ ام رومان ان دونوں کی والدہ تھیں۔ مملوک ہونے اور معاشرہ میں کمزور حیثیت رکھنے کی وجہ سے مشرکوں نے حضرت عامر پر بہت ظلم ڈھائے، لیکن وہ ایمان پر ثابت قدم رہے۔ آخر کار سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انھیں خرید کر آزاد کر دیا اور وہ ان کی بھیڑ بکریاں چرانے لگے۔ حضرت عامر بن فہیرہ ساتویں غلام تھے جنھیں سیدنا ابوبکر نے خود خرید کر اللہ کی رضا جوئی کے لیے آزاد کیا۔ ایک روایت ہے کہ فہیرہ حضرت عامر کی والدہ کا نام تھا۔ اگر یہ درست ہے تو ان کے والد کا نام کسی تاریخ میں مذکور نہیں ہوا۔ مولا کا لفظ غلام آزاد کرنے والے آقا اور آزاد شدہ غلام دونوں کے لیے بولا جاتا ہے، ان کے باہمی تعلق کو موالات کا نام دیا جاتا ہے۔ عرب کا دستور ہے، آزاد شدہ کو اپنے مولا کے قبیلے کا رکن سمجھ کر اسی سے منسوب کر دیا جاتا ہے۔ اسی نسبت موالات سے حضرت عامر تیمی کہلاتے ہیں، کیونکہ سیدنا ابوبکر کا تعلق بنو تیم سے تھا۔ ابو عمرو[1] ان کی کنیت تھی۔ حضرت عامر بن فہیرہ سیاہ فام تھے۔

اللہ کے آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل ایمان پر آبائی شہر مکہ تنگ پڑ گیا تو اللہ کی طرف سے مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کا اذن ہوا۔ پہلے حضرت مصعب، حضرت ابن ام مکتوم، حضرت عمار، حضرت سعد، حضرت ابن مسعود، حضرت بلال اور حضرت عمر پہنچے۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قصد فرمایا، سیدنا ابوبکر آپ کے ساتھ تھے۔ مشرکین کے

1؎ ابو احمد: انساب الاشراف، بلاذری۔

تعاقب سے محفوظ رہنے کے لیے آپ مکہ کے باہر واقع غار ثور میں چھپ گئے۔ سیدنا ابوبکر نے اپنے بیٹے حضرت عبداللہ سے کہا کہ مکہ میں رہ کر دن بھران کے بارے میں کی جانے والی باتیں سنے اور رات کو انھیں آ کر بتایا کرے۔ انھوں نے اپنے آزاد کردہ حضرت عامر بن فہیرہ کو بھی حکم دیا کہ رات کے وقت بکریاں ان کے پاس لے آیا کرے۔ سیدنا ابوبکر اور آپ نے غار میں تین دن قیام کیا۔ اس دوران میں حضرت عامر کا یہ معمول رہا کہ دن کے وقت دوسرے چرواہوں کے ساتھ بکریاں چراتے اور رات کے اندھیرے میں جبل ثور پر لے آتے۔ سیدنا ابوبکر اور آپ بکریوں کا دودھ دوہ کر پی لیتے۔ یہ روایت بھی موجود ہے کہ ان دنوں میں آپ کی غذا یہی رہی تاہم صحیح یہی ہے کہ اسما بنت ابوبکر نے گھر سے کھانا پکا کر پہنچایا۔ ابن اسحاق کی روایت کے مطابق آپ نے بکری ذبح کر کے اس کا گوشت بھی کھایا۔ حضرت عبداللہ بن ابوبکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنے والد سیدنا ابوبکر کو مل کر منہ اندھیرے لوٹتے تو حضرت عامر بن فہیرہ ان کے پیچھے اپنا ریوڑ لے کر چل پڑتے۔ اس طرح ان کے نقش ہائے قدم مٹ جاتے اور کسی کھوجی کے لیے ان کے رات کے سفر کا سراغ لگانا ممکن نہ رہتا۔ تین دن گزر گئے تو مکہ کے لوگ آپ کا کھوج لگاتے تھک گئے۔ تب بنوعبد بن عدی کی شاخ بنودئل کا غیر مسلم ماہر گائیڈ عبداللہ بن ارقط (یا اریقط) دو اونٹنیاں لے کر پہنچا۔ ان کی قیمت سیدنا ابوبکر ادا کر چکے تھے، لیکن آپ نے ان سے اپنی اونٹنی کے دام طے کر کے بیع مکمل کی تب اس پر سوار ہوئے۔ دوسری اونٹنی سیدنا ابوبکر کے لیے تھی، انھوں نے حضرت عامر کو پیچھے بٹھا لیا۔ حضرت عامر نے آپ ہی کے ساتھ ہجرت کی اور راستہ بھر آپ کی خدمت کرتے رہے۔ پیر چار ربیع الاول کو آپ غار سے نکلے، حضرت عبداللہ بن اریقط آپ کو مدینہ جانے والے عام راستے کے بجاے ساحل سمندر کے پاس والے رستے سے لے کر گیا۔ اگلے دن جب آپ زیریں مکہ کے ساحل کی طرف نکل آئے تھے، مشرکین کے اعلان کردہ سو اونٹوں کا انعام پانے کی حرص میں بنومدلج کے سردار سراقہ بن مالک بن جعشم نے تعاقب کرتے ہوئے آپ کو آن لیا۔ پاس پہنچ کر اس کا گھوڑا ٹھوکر کھا کر گر پڑا اور اس کے پاؤں گھٹنوں تک زمین میں دھنس گئے۔ یہ اس کے گھر سے نکلنے کے بعد چوتھی لغزش تھی۔ سراقہ نے گھوڑے کو مارا، پچکارا۔ اس کے پاؤں کسی طور باہر نہ نکلے تو 'امان'، 'امان' پکارا۔ امان ملنے پر بدلے میں اس نے اپنا تمام مال و متاع آپ کو دینے کی پیش کش کی، آپ نے قبول نہ کی۔ اس نے آپ کو قریش کی تدبیروں سے بھی آگاہ کیا۔ آپ نے اتنا فرمایا کہ ہمارا سفر مخفی رکھنا پھر سراقہ کی التجا پر دعا فرمائی کہ گھوڑا زمین سے چھوٹ جائے۔ آخر میں سراقہ نے درخواست کی کہ اسے پروانۂ امن لکھ دیا جائے۔ حضرت عامر بن فہیرہ نے چمڑے کے ایک ٹکڑے پر دستاویز امان لکھی تو وہ لوٹ گیا۔

سفر ہجرت کی پہلی منزل قبا میں حضرت بنوعمرو بن عوف کا محلّہ تھا جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، سیدنا ابوبکر اور

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

حضرت عامر بن فہیرہ نے تین دن یا اس سے کچھ زیادہ قیام کیا۔ مدینہ پہنچ کر حضرت عامر بن فہیرہ حضرت سعد بن خیثمہ کے مہمان ہوئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عامر اور حضرت اوس بن معاذ کے درمیان مواخات قائم فرمائی۔

مدینہ کو بخاروں کی سرزمین کہا جاتا تھا۔ حضرت عامر بن فہیرہ مدینہ پہنچے تو اس نئے شہر کی بدلی ہوئی آب و ہوا نے ان پر بھی اثر کیا۔ انھیں بخار نے آن لیا، سیدنا ابوبکر اور سیدنا بلال کو بھی ان کے ساتھ بخار چڑھا۔ یہ سب ایک ہی گھر میں مقیم تھے۔ سیدہ عائشہ اپنے والد کی تیمارداری کے لیے آئیں تو حضرت عامر کی خیریت بھی دریافت کی۔ تپ کی شدت میں حضرت عامر نے یہ اشعار پڑھے:

لقد وجدت الموت قبل ذوقه　　ان الجبان حتفه من فوقه

''میں نے موت کا ذائقہ چکھنے سے پہلے ہی اسے پا لیا ہے، بلاشبہ بزدل کی موت اوپر سے آتی ہے۔''

کل امریءٍ مجاهد بطوقه　　کالثور یحمی جلده بروقه

''ہر شخص اپنی طاقت کے بقدر جدوجہد کرتا ہے جیسے بیل سینگ سے اپنی جلد کی حفاظت کرتا ہے۔''

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

سیدہ عائشہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا کہ آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم بخار کی وجہ سے ہذیانی کیفیت میں ہیں تو آپ نے دعا فرمائی:

''اے اللہ! مدینہ ہمارے لیے محبوب بنا دے، ہم اس سے مکہ جیسی یا اس سے بڑھ کر محبت کریں۔ اسے ہماری صحت کا باعث بنا دے۔ اس کے پیمانوں، صاع (سیر اور پاؤ) ومُد (تولہ و ماشہ) میں برکت ڈال دے اور اس کے بخار کو جحفہ (یا مہیعہ: شام کی طرف جانے والے راستے پر واقع مقام) منتقل کر دے۔''

(بخاری، رقم ۱۸۸۹، مسلم، رقم ۳۳۲۱)

جمادی الثانی ۲ھ میں جنگ بدر سے کچھ پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کی سرگرمیوں کی خبر لینے کے لیے حضرت عبداللہ بن جحش کی سربراہی میں آٹھ (یا بارہ) مہاجرین پر مشتمل ایک سریہ روانہ فرمایا۔ اسے سریۂ عبداللہ بن جحش کہا جاتا ہے۔ حضرت عمار بن یاسر، حضرت ابوحذیفہ بن عتبہ، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت عتبہ بن غزوان، حضرت سہیل بن بیضا، حضرت عامر بن فہیرہ اور حضرت واقد بن عبداللہ اس میں شامل تھے۔ آپ نے ابن جحش کو ایک خط دیا اور ہدایت فرمائی کہ اسے دو دن کے سفر کے بعد وادئ ملل پہنچ کر کھولنا۔ انھوں نے جب خط کھولا تو لکھا پایا، سفر جاری رکھ کر مکہ و طائف کے مابین واقع وادئ نخلہ پہنچو۔ حضرت عبداللہ بن جحش نے ساتھیوں سے کہا، جو شہادت کا متمنی ہے، آگے چلے اور وصیت کرتا جائے۔ بحران کے مقام پر حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت عتبہ کی مشترکہ سواری کھو گئی تھی، وہ اسے ڈھونڈنے نکل گئے۔ ابن جحش باقی افراد کو لے کر نخلہ پہنچے۔ کشمش، کھالیں اور دوسرا

سامان تجارت لے کر قریش کا قافلہ وہاں سے گزرا تو انھوں نے اس پر حملہ کر دیا۔ حضرت واقد بن عبداللہ نے تیر مار کر قافلے کے سردار عمرو بن حضرمی کو قتل کر دیا اور عثمان بن عبداللہ اور حکم بن کیسان کو قید کر لیا۔ مغیرہ بن عثمان فرار ہو گیا۔ یہ اسلامی تاریخ کا پہلا مقتول، پہلا قیدی اور اولین مال غنیمت تھا۔ پہلے امیر جیش اسلامی حضرت عبداللہ بن جحش نے دور اسلامی میں حاصل ہونے والے پہلے مال غنیمت کی اپنے تئیں تقسیم کر کے پانچواں حصہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے رکھ لیا، حالانکہ خمس کا حکم نازل نہ ہوا تھا۔ حضرت عروہ بن زبیر کہتے ہیں، عمرو بن حضرمی کے قتل سے قریش کو اس قدر دھچکا لگا کہ یہ جنگ بدر کا ایک سبب بن گیا۔

دوسری روایت کے مطابق یہ غزوہ رجب کی ابتدائی تاریخوں میں ہوا۔ مشرکین کی طرف سے حرام مہینے کی حرمت پامال کرنے کا الزام لگا تو ارشاد ربانی نازل ہوا:

يَسۡـَٔلُوۡنَكَ عَنِ الشَّهۡرِ الۡحَرَامِ قِتَالٍ فِيۡهِ قُلۡ قِتَالٌ فِيۡهِ كَبِيۡرٌ وَصَدٌّ عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَكُفۡرٌ بِهٖ وَالۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ وَاِخۡرَاجُ اَهۡلِهٖ مِنۡهُ اَكۡبَرُ عِنۡدَ اللّٰهِ وَالۡفِتۡنَةُ اَكۡبَرُ مِنَ الۡقَتۡلِ. (البقرہ ۲: ۲۱۷)

”آپ سے حرام مہینے کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ اس میں قتال کرنا کیسا ہے؟ کہہ دیجیے، ماہ حرام میں قتال کرنا بہت سنگین ہے لیکن اللہ کی راہ سے روکنا، اس کا کفر کرنا، مسجد حرام کا راستہ بند کرنا اور وہاں کے رہنے والوں کو نکال باہر کرنا اس سے بھی بدتر ہے۔ فتنہ پھیلانا قتل کرنے سے بھی بڑا جرم ہے۔“

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

حضرت عامر بن فہیرہ نے بدر و احد کے غزوات میں حصہ لیا۔ ان جنگوں میں کوئی خاص واقعہ ان سے منسوب نہیں۔

۴ھ کے آغاز میں وسطی عرب کے قبیلہ بنو عامر بن صعصعہ کا ایک معزز سردار ابو براعامر بن مالک مدینہ آیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تحفہ پیش کیا۔ آپ نے ہدیہ قبول کرنے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ ہم کسی مشرک سے تحفہ نہیں لیتے۔ آپ نے اسے اسلام کی دعوت دی تو اس نے رد کی نہ قبول، تاہم یہ کہا کہ آپ کی دعوت خوب ہے، اس کی اشاعت کے لیے اپنے کسی صحابی کو اہل نجد کی طرف روانہ کریں۔ امید ہے کہ وہ اسلام قبول کر لیں گے۔ آپ نے فرمایا، مجھے اندیشہ ہے کہ نجدی انھیں نقصان پہنچائیں گے۔ ابو برا نے کہا، ان کی طرف سے میں پناہ دیتا ہوں۔ تب صفر کے مہینے میں آپ نے ستر (چالیس: ابن اسحاق) صحابہ رضی اللہ عنہم کے ایک وفد کو کوہ احد سے رخصت کیا۔ اس کے ارکان میں اصحاب صفہ کی اکثریت تھی، انھیں قرا کہا جاتا تھا۔ یہ لوگ دن بھر لکڑیاں چنتے، انھیں بیچ کر اپنا اور ساتھیوں کا پیٹ بھرتے، (مسجد کا پانی بھرتے) اور رات کو (تلاوت کرتے اور) نوافل ادا کرتے۔ حضرت منذر بن عمرو انصاری، حضرت حارث بن صمہ، حضرت حرام بن ملحان، حضرت عروہ بن اسما، حضرت نافع بن بدیل اور حضرت

عامر بن فہیرہ اس میں شامل تھے۔ حضرت منذر شہادت کی بہت آرزو رکھتے تھے۔ تبلیغی وفد بئر معونہ پہنچا اور یہاں ایک غار میں قیام کا ارادہ کیا۔ یہ کنواں بنو سلیم کی ملکیت تھا اور بنو عامر کی سرزمین اور بنو سُلیم کی زمین سنگلاخ کے مابین واقع تھا۔ پھر اپنے ساتھی حرام بن ملحان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خط دے کر بنو عامر کے رئیس عامر بن طفیل کے پاس بھیجا۔ یہ ابوبرا کا بھتیجا تھا۔ عامر نے نامۂ رسول پڑھنے کے بجائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد اور ماموں حضرت حرام پر تیر پھینکا (یا عقب سے نیزہ مارا) اور شہید کر ڈالا۔ حضرت حرام شدید زخمی ہو گئے، مرنے سے پہلے نعرہ بلند کیا، اللہ اکبر! 'فزت و رب الکعبة'! ''رب کعبہ کی قسم! میں کامیاب ہو گیا۔'' انھیں قتل کرنے کے بعد عامر بن طفیل نے مبلغین اسلام کے خلاف کارروائی کرنے کے لیے اپنے قبیلے بنو عامر بن صعصہ کے لوگوں کو پکارا، لیکن انھوں نے انکار کر دیا اور کہا کہ ہم تمھارے چچا ابوبرا کا پیمان نہیں توڑ سکتے، انھوں نے مسلمانوں کو پناہ دے رکھی ہے۔ تب اس نے ہمسایہ قبیلہ بنو سُلیم کی شاخوں عصیہ، رعل اور ذکوان کو بلا لیا۔ سب اکٹھے ہو کر باہر نکل آئے اور مسلمانوں کو گھیر لیا۔ وہ تلواریں نکال کر آرام گاہوں سے نکل آئے، لیکن چند مسلمان ایک بڑی فوج کا مقابلہ نہ کر سکے۔ ایک صحابی حضرت کعب بن زید انصاری کے سوا سب نے جام شہادت نوش کیا۔ حضرت کعب بھی شدید زخمی تھے اور کافروں کے زعم میں جان دے بیٹھے تھے، تاہم انھوں نے موت کے منہ سے نکل کر نئی زندگی پائی اور غزوۂ خندق میں شہید ہوئے۔ اتفاق کی بات ہے کہ وفد کے دو رکن حضرت عمرو بن امیہ ضمری اور حضرت منذر بن محمد انصاری اونٹوں کو چرانے نکلے ہوئے تھے۔ جب انھوں نے وفد کی قیام گاہ پر چیلوں کو منڈلاتے ہوئے دیکھا تو واپس لپکے۔ قریب پہنچ کر دیکھا کہ ان کے سارے ساتھی شہید کر دیے گئے ہیں، ان کے لاشے بکھرے پڑے ہیں اور حملہ آور گھڑ سوار ابھی وہیں کھڑے ہیں۔ جوش غیرت میں یہ حملہ آوروں پر پل پڑے۔ شہادت کے متمنی حضرت منذر بن محمد نے اپنے ہم نام حضرت منذر بن عمرو کی طرح مراد پائی، جبکہ حضرت عمرو بن امیہ کو گرفتار کر لیا گیا۔ بعد میں عامر نے پیشانی کے بال کاٹ کر انھیں رہا کر دیا اور کہا، تم مضری ہو، میں تمھیں اس غلام کے بدلے میں آزاد کرتا ہوں جو میری ماں پر کسی وجہ سے آزاد کرنا لازم ہو گیا تھا۔

بئر معونہ کے سانحہ میں بڑے بڑے صاحب فضیلت، حفاظ و قرا اصحاب رضی اللہ عنہم نے جام شہادت نوش کیا۔ انھی میں سے ایک حضرت عامر بن فہیرہ تھے۔ مشہور ہے کہ کشت و خون کے بعد ان کا جسد خاکی نہ ملا۔ ان کے قاتل جبار بن سلمی کلابی کا بیان ہے، میں نے حضرت عامر کو نیزہ مارا تو کسی نے ان کی نعش اچک لی پھر میرے دیکھتے دیکھتے آسمان کی طرف بلند ہو گئی اور زمین پر سراغ تک نہ رہا۔ تب یہ روایت عام ہو گئی کہ حضرت عامر کو فرشتے لے گئے اور ان

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

کی میت کی تدفین انھوں نے ہی کی۔ ''طبقات ابن سعد'' میں مذکور اس روایت کو حضرت عروہ بن زبیر نے سیدہ عائشہ سے نقل کیا ہے۔ اس ضمن میں سب سے معتبر روایت صحیح بخاری کی ہے، جب بئر معونہ کے شہدا کی شہادت ہو چکی اور حضرت عمرو بن امیہ ضمری عامر بن طفیل کی قید میں آئے تو اس نے شہدا کی میتوں کے بیچ ایک میت کی طرف اشارہ کر کے پوچھا، یہ کون ہے؟ انھوں نے بتایا، حضرت عامر بن فہیرہ۔ تب عامر بن طفیل نے کہا، میں نے اس کو قتل کے بعد آسمان کی طرف بلند ہوتے دیکھا حتیٰ کہ اسے آسمان و زمین کے بیچ معلق دیکھتا رہا پھر یہ نعش واپس زمین پر رکھ دی گئی۔ حضرت جبار بن سلمی مزید کہتے ہیں، میں اس مشاہدے کے بعد قبول اسلام پر آمادہ ہوا۔ بئر معونہ کے دن میں نے ایک مسلمان (حضرت عامر بن فہیرہ) کے سینے میں نیزہ گاڑ دیا۔ نیزہ اس کے جسم سے نکلا تو وہ پکارا، واللہ! میں کامیاب ہوا۔ میں نے سوچا، قتل تو میں نے کیا ہے، وہ کیسے کامیاب ہوا؟ دوسرے مسلمانوں نے بتایا، اس نے مقام شہادت پا لیا اس لیے بامراد ہے۔ ایک روایت کے مطابق حضرت عامر بن فہیرہ کو عامر بن طفیل نے خود قتل کیا، وہ دشمن خدا کہتا ہے، میں نے حضرت عامر پر نیزے کا پہلا وار کیا تو ان کے زخم سے نور خارج ہوا۔ (دلائل النبوۃ: غزوۂ بئر معونہ) حضرت عامر بن فہیرہ کی عمر چالیس برس ہوئی۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک ماہ تک سانحۂ بئر معونہ اور اس سے کچھ دن پہلے واقع ہونے والے اسی قسم کے حادثۂ فاجعہ یوم رجیع کے شہدا کے قاتلوں کے لیے فجر کی نماز میں قراءت کرنے کے بعد رکوع سے پہلے رعل، ذکوان، عصیہ اور بنولحیان کا نام لے کر بد دعا فرماتے رہے۔ یہ قنوت نازلہ کی ابتدا تھی۔ طبرانی نے دعا کے یہ الفاظ نقل کیے ہیں، ''اللّٰھم اکفنی عامرا''، ''اے اللہ! عامر سے میرا بدلہ لے لے''۔

حضرت عامر لکھنا پڑھنا جانتے تھے یہی وجہ ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتبین میں شامل ہوئے۔

مطالعۂ مزید: السیرۃ النبویہ (ابن ہشام)، الطبقات الکبریٰ (ابن سعد)، الجامع المسند الصحیح (بخاری، شرکۃ دار الارقم)، تاریخ الامم والملوک (طبری)، صحیح تاریخ الطبری (محقق: محمد بن طاہر برزنجی)، دلائل النبوۃ (بیہقی)، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب (ابن عبدالبر)، الکامل فی التاریخ (ابن اثیر)، اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ (ابن اثیر)، تاریخ الاسلام (ذہبی)، البدایہ والنہایہ (ابن کثیر)، فتح الباری (ابن حجر)، الاصابہ فی تمییز الصحابہ (ابن حجر)، سیرت النبی (شبلی نعمانی)، اردو دائرۂ معارف اسلامیہ (مقالہ جات، بئر معونہ: پروفیسر عبدالقیوم۔ عامر بن صعصعہ، عامر بن طفیل: W.Caskel)۔

پروفیسر خورشید عالم

میاں یا بیوی کی سرکشی ـــــ قرآن کی نظر میں

[''نقطۂ نظر'' کا یہ کالم مختلف اصحاب فکر کی نگارشات کے لیے مختص ہے۔ اس میں شائع ہونے والے مضامین سے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔]

www.javedahmadghamidi.org
www.al-mawrid.org

(۱) وَالّٰتِیۡ تَخَافُوۡنَ نُشُوۡزَھُنَّ فَعِظُوۡھُنَّ وَاھۡجُرُوۡھُنَّ فِی الۡمَضَاجِعِ وَاضۡرِبُوۡھُنَّ فَاِنۡ اَطَعۡنَکُمۡ فَلَا تَبۡغُوۡا عَلَیۡھِنَّ سَبِیۡلًا اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلِیًّا کَبِیۡرًا. (النساء۴: ۳۴)

''اور جن بیویوں سے تمھیں سرکشی کا اندیشہ ہو، انھیں سمجھاؤ، پھر خواب گاہوں میں ان کو الگ کر دو اور انھیں (بطور تنبیہ کے ہلکی) ضرب لگاؤ، پھر اگر وہ تمھارا کہا مان لیں تو انھیں ایذا پہنچانے کی راہ تلاش نہ کرو۔ بے شک، اللہ سب کے اوپر اور سب سے زیادہ بڑائی رکھنے والا ہے۔''

(۲) وَاِنِ امۡرَاَۃٌ خَافَتۡ مِنۡ بَعۡلِھَا نُشُوۡزًا اَوۡ اِعۡرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَیۡھِمَآ اَنۡ یُّصۡلِحَا بَیۡنَھُمَا صُلۡحًا وَالصُّلۡحُ خَیۡرٌ وَاُحۡضِرَتِ الۡاَنۡفُسُ الشُّحَّ وَاِنۡ تُحۡسِنُوۡا وَتَتَّقُوۡا فَاِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِیۡرًا. (النساء۴: ۱۲۸)

''اور اگر کسی عورت کو اپنے شوہر کی طرف سے سرکشی یا کنارہ کشی کا اندیشہ ہو تو میاں بیوی پر کچھ گناہ نہ ہو گا اگر کوئی مصالحت کی قرارداد آپس میں ٹھیرا کر صلح کر لیں۔ (نااتفاقی سے) صلح بہرحال بہتر ہے۔ اور انسانی طبیعتوں میں بخل موجود ہوتا ہے۔ اور اگر تم احسان کرو اور تقویٰ کرو تو تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس کی خبر رکھنے والا ہے۔''

سب سے پہلے ہم مذکورہ آیات میں لفظ 'نشوز' پر لغت کی رو سے بحث کریں گے تاکہ اس کے حقیقی اور مجازی معنوں کا تعین ہو سکے۔

حقیقی معنی

''مقاییس اللغۃ'' میں ابن فارس کا قول ہے کہ نون، شین اور زا، یہ تینوں حروف بلندی اور اونچائی پر دلالت کرتے ہیں۔ چنانچہ 'النشز' اونچی اور بلند جگہ کو کہا جاتا ہے۔ امام راغب نے بھی ''مفردات'' میں 'نشز' کے معنی بلند جگہ کے کیے ہیں۔ انھوں نے ایک محاورہ نقل کیا ہے 'نشز فلان عن مقرّہ' یعنی فلاں اپنی جگہ سے اوپر ابھرا اور ہر اوپر اٹھنے والی چیز کو 'ناشِز' کہا جاتا ہے۔ مثلاً 'جبین ناشز' ابھری ہوئی پیشانی، 'عرِق ناشِز' ابھری ہوئی رگ کو کہتے ہیں۔

اس کے ایک معنی بیٹھنے سے اٹھ کھڑے ہونا ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

اِذَا قِیۡلَ انۡشُزُوۡا فَانۡشُزُوۡا. (المجادلہ ۵۸: ۱۱) ''جب کہا جائے کھڑے ہو جاؤ تو کھڑے ہو جایا کرو۔''

امام ابن تیمیہ نے ''مجموع الفتاویٰ'' (۱۴/ ۲۱۱) میں اس کے معنوں میں بلندی کے ساتھ سختی کا بھی اضافہ کیا ہے، یعنی بلند اور سخت زمین۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

مجازی معنی

لغوی تشریح سے ثابت ہوا کہ لفظ 'نشوز' کے اصل معنی اونچی اور سخت زمین کے ہیں اور دوسرے، جیسا کہ قرآن میں آیا کہ بیٹھا ہوا شخص اگر اٹھ کھڑا ہو تو اسے بھی 'نشوز' کہا جاتا ہے۔ زیر نظر آیات میں لفظ 'نشوز' اپنے اصل معنوں میں استعمال نہیں ہوا، بلکہ مجازی معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ پہلے معنی کے اعتبار سے 'نشوز' کے مجازی معنی بلندی اور برتری کے ہیں، یعنی اپنے آپ کو برتر سمجھ کر سرکشی اور نافرمانی کرنا، نفرت کرنا اور بغض رکھنا، بدسلوکی کرنا اور علیحدہ ہو جانا ہے۔ دوسرے معنی کے اعتبار سے اس کے معنی سر اٹھانا اور مخالفت پر اتر آنا ہے۔

اس لفظ کا اطلاق میاں اور بیوی دونوں پر ہوتا ہے۔ میاں بیوی میں سے کسی ایک کا احساس برتری ایک کو دوسرے کے حقوق کا خیال نہیں رکھنے دیتا۔ ان میں سے کسی ایک کا مخالفت پر اتر آنا، سرکشی کرنا، نفرت کرنا، جھگڑنا، بدسلوکی کرنا اور ایک دوسرے کے خلاف کھڑے ہو جانا ہے۔ امام رازی سورۂ نساء (۴) کی آیت ۱۲۸ کے تحت فرماتے ہیں کہ 'نشوز' کے معنی دونوں (میاں بیوی) کا ایک دوسرے سے نفرت کرنا ہے۔ صاحب ''روح المعانی'' نے لکھا ہے: 'نشوز' کے معنی کسی سبب سے ایک کا اپنے آپ کو برتر سمجھ کر دوسرے سے اعراض کرنا ہے اور اس کا اطلاق زوجین

میں سے ہر ایک پر ہوتا ہے۔ امام قرطبی نے ابومنصور لغوی کا قول نقل کیا ہے کہ 'نشوز' زوجین کی ایک دوسرے سے نفرت کو کہا جاتا ہے۔ ''فی ظلال القرآن'' میں سید قطب نے 'نشوز' کے معنی ازدواجی زندگی میں خرابی بیان کیے ہیں۔

''لسان العرب'' میں ابواسحاق کا قول نقل کیا گیا ہے کہ 'نشوز' سے مراد یہ ہے کہ دونوں ایک دوسرے سے نفرت کرتے ہیں۔ ''تاج العروس'' میں ابواسحاق کا قول نقل کرنے کے بعد لکھا گیا ہے کہ اس کے علاوہ شوہر بیوی پر سختی کرتا اور مارتا ہے اور ایذا پہنچاتا ہے۔ ''المعجم الوسیط'' میں ہے: عورت نے 'نشوز' کیا یا خاوند نے، اس کے معنی ہیں کہ اس نے نافرمانی اور بدسلوکی کی۔ عورت بھی 'ناشز' ہے اور مرد بھی 'ناشز'۔ 'نشوز' نفسیاتی حالت کی حقیقی تصویر ہے جو نافرمانی اور سرکشی کی صورت میں نمایاں ہوتی ہے، کیونکہ 'ناشز' اونچی زمین کی طرح سر اٹھانا اور بلند ہونا ہے۔ ایسا وہ محض نافرمانی اور سرکشی کی وجہ سے کرتا ہے۔ جس طرح چلتے چلتے ہموار زمین میں خلاف معمول کوئی اونچی اور سخت جگہ آ جاتی ہے بالکل اسی طرح میاں بیوی کی ہموار اور خوش گوار زندگی میں خلاف معمول اونچ نیچ پیدا ہو جاتی ہے۔

'نشوز' سے مراد صرف عورت کی طرف سے اپنے شوہر کی نافرمانی ہرگز نہیں جیسا کہ غلط طور پر سمجھا جاتا ہے۔

اہل لغت اور مفسرین کی مذکورہ تصریحات سے ظاہر ہوتا ہے کہ 'نشوز' کا ارتکاب میاں اور بیوی سے یکساں ہوتا ہے، مگر بعض مفسرین نے میاں اور بیوی کے 'نشوز' کے الگ الگ معنی کیے ہیں جو بالکل مناسب نہیں۔ ان کے ذہن میں میاں کی محض مرد ہونے کے ناتے فضیلت راسخ ہے، وہ کیسے تسلیم کر لیں کہ حاکم اور مالک نافرمان اور سرکش ہو سکتا ہے، وہ تو بس مار سکتا ہے اور تکلیف پہنچا سکتا ہے۔ شادی بیاہ فریقین کے درمیان ایک معاہدہ ہوتا ہے جس کی رو سے بیوی خاوند کے حقوق ادا کرتی ہے اور خاوند بیوی کے۔ جو بھی حقوق ادا نہ کرے گا، اسے ہم نافرمان اور سرکش کہیں گے۔ اگر مرد بیوی کے حقوق تسلیم کرنے سے انکار کرے گا تو اسے نافرمان نہ کہیں گے تو اور کیا کہیں گے؟

بعض مفسرین نے بیوی کی نافرمانی کے ضمن میں ایسی باتیں لکھی ہیں جن پر کسی طرح بھی 'نشوز' کا اطلاق نہیں ہوتا، مثلاً امام رازی النساء (۴: ۳۴) کے تحت فرماتے ہیں کہ 'نشوز' قولاً بھی ہوتا ہے اور فعلاً بھی۔ قولاً 'نشوز' یہ ہے کہ پہلے بیوی میاں کے بلانے پر لبیک کہتی تھی اور جب اس سے وہ ہم کلام ہوتا تھا تو میٹھی میٹھی باتیں کرتی تھی پھر اس کے رویہ میں تبدیلی آ گئی، اور فعلاً 'نشوز' یہ ہے کہ جب وہ گھر میں داخل ہوتا تھا تو وہ احتراماً کھڑی ہو جاتی تھی اور جب وہ خواہش کرتا تھا تو بیوی دوڑ کر خوشی خوشی اس کے بستر کی طرف آ جاتی تھی، اب بدل گئی۔ اس قسم کی علامات 'نشوز' کے خوف کو حتمی شکل عطا کر دیتی ہیں۔ امام صاحب سمجھتے ہیں کہ عورت جذبات سے عاری ہوتی ہے۔ وہ انسان نہیں موم کی ناک ہے جسے خاوند اپنی خواہش کے مطابق موڑ لیتا ہے۔ شادی کے ابتدائی ایام میں عورت کے پاس ان

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

چونچلوں کے لیے وقت ہوتا ہے جب بچے ہو جاتے ہیں تو اس کی توجہ ان چونچلوں سے ہٹ جاتی ہے اور وہ ان سے بڑھ کر اہم کاموں میں مشغول ہو جاتی ہے۔ ''البحر المحیط'' میں اسی آیت کے تحت عطاء کا قول نقل کیا گیا ہے کہ 'نشوز' یہ ہے کہ عورت عطر نہ لگائے اور شوہر کو اپنے سے روکے رکھے۔ شوہر کے لیے پہلے جو بناؤ سنگار کرتی تھی اب نہ کرے۔ ایسی باتوں کو 'نشوز' میں شامل کرنا مضحکہ خیز لگتا ہے۔

دونوں آیات مبارکہ میں 'نشوز' سے پہلے لفظ 'خوف' استعمال ہوا ہے۔ امام راغب نے ''مفردات'' میں لکھا ہے کہ خوف کے معنی ہیں: کسی مکروہ امر کی توقع ایسی علامت سے جو ظنی ہو یا علم کی حد تک پہنچی ہوئی ہو۔ اس کے مقابلہ میں رجاء اور طمع کے معنی ہیں: کسی محبوب امر کی توقع ایسی علامت سے جو ظنی ہو یا علم کی حد تک پہنچی ہوئی ہو۔ ''کتاب التقریب فی علم الغریب'' میں ہے: 'خاف الشیٔ' یعنی اس نے چیز کو جان لیا اور اسے یقین ہو گیا، کیونکہ انسان کسی چیز سے اس وقت تک نہیں ڈرتا جب تک اسے معلوم نہ ہو کہ وہ چیز کیا ہے۔ مسبب بول کر سبب مراد لیا جاتا ہے۔ یہ کتاب ''المصباح المنیر'' کے مؤلف احمد بن محمد الفیّومی کے بیٹے کی تصنیف ہے۔

اس میں کیا حکمت ہے کہ علم کے بجائے لفظ خوف استعمال ہوا ہے؟ ان جذبات و احساسات کو جو میاں بیوی ایک دوسرے کے بارے میں رکھتے ہیں خوف سے تعبیر کر کے اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ دراصل یہ فعل ان سے صادر نہیں ہونا چاہیے۔ اسی لیے یہ نہیں کہا گیا کہ 'ینشزن و ینشزون' (وہ سرکشی کرتی ہیں یا کرتے ہیں)۔ میاں بیوی میں پیار، محبت اور ہم آہنگی ایک فطری عمل ہے اور 'نشوز' ایک غیر فطری عمل ہے۔ اس لیے اللہ نے اس خلاف فطرت عمل کو براہ راست ان کی طرف منسوب نہیں کیا۔ یہ عملی نظام اس فطرت کے خلاف ہے جو ہم آہنگی پر قائم ہے اور زوجین کی معاشرت بھی اسی نظام کے مطابق چلتی ہے۔ اس تعبیر میں میاں بیوی کے لیے ایک طرح کی وارننگ ہے کہ تمھارا یہ فعل تمھارے اصل مرتبہ و مقام کے مطابق نہیں، اس سے تمھاری مستقبل کی زندگی معرض خطر میں پڑ جائے گی اور تمھاری شادی کا بندھن ٹوٹ جائے گا، دوسرے اس تعبیر میں یہ اشارہ بھی موجود ہے کہ اس سرکشی کا وسوسہ یا وہم نہیں ہونا چاہیے۔ خوف کسی فرضی خیال کا نام نہیں، بلکہ کسی برے نتیجہ کے ظاہر ہونے کی توقع ہے جس کی علامتیں یقینی طور پر ظاہر ہو چکی ہوں۔ جہاں خوف کی وجہ سے حقوق اور ذمہ داریوں پر اثر پڑتا ہو، وہاں محض ظنی علامتوں پر کوئی کارروائی نہیں ہو سکتی، بلکہ یقینی علامتیں ہونی چاہییں۔ اس طرح ان مفسرین کی رائے بھی بے وقعت ہو جاتی ہے جو ظنی علامتوں پر ہلکی اور یقینی علامتوں پر سخت سزا تجویز کرتے ہیں۔

اب آتے ہیں اصل آیات کی طرف۔ میاں بیوی اجتماعی فریضہ ادا کرتے ہیں۔ دونوں کے پیش نظر خاندان،

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

سوسائٹی اور نوع انسانی کی بھلائی ہوتی ہے، دونوں کے کاندھوں پر خاندان کی، وطن کی اور انسانیت کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ ان کے درمیان جب کشیدگی پیدا ہو جائے تو قرآن حکیم اس کشیدگی سے بچاؤ کے لیے کچھ اقدام تجویز کرتا ہے تاکہ میاں اور بیوی کے درمیان پیار اور محبت کی فضا قائم رہے اور شادی کا مضبوط بندھن ٹوٹنے نہ پائے۔ یہ میاں اور بیوی کے درمیان کوئی معرکہ نہیں کہ جب بیوی سرکشی کرے تو اس کا سر پھوڑ دیا جائے اور اگر مرد سرکشی کا مرتکب ہو تو کچھ دے دلا کر صلح کر لی جائے۔ قرآن چاہتا ہے کہ اگر میاں اور بیوی کے درمیان نفرت سر اٹھا لے تو دونوں پر واجب ہے کہ وہ عدل وانصاف کے تقاضوں کے مطابق مسائل کا حل تلاش کریں۔

اگر عائلی معاملات میں خلل واقع ہو جائے تو دوبارہ ہم آہنگی حاصل کرنے کے لیے قرآن نے ترجیح کے اعتبار سے تین تجاویز پیش کی ہیں۔ ان تجاویز کا تذکرہ مخصوص ترتیب اور تسلسل سے ہے۔ ان تجاویز کے درمیان حرف واؤ استعمال ہوا ہے۔ واؤ عام طور پر جمع کے لیے استعمال ہوتی ہے۔ جمہور علما کے نزدیک یہ ترتیب کا فائدہ بھی دیتی ہے۔ آیۂ مبارکہ میں ایک عقلی قرینہ ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ واؤ یہاں ترتیب کے لیے استعمال ہوئی ہے، کیونکہ اگر ترتیب مقصود نہ ہوتی تو مارنے کے بعد نصیحت اور خواب گاہ سے علیحدگی کی کیا ضرورت رہ جاتی؟ صاحب ''روح المعانی'' نے ''الکشاف'' کے حوالہ سے لکھا ہے کہ آیت کی عبارت ترتیب پر دلالت کرتی ہے، کیونکہ واؤ نرمی اور سختی کے مختلف اجزا پر داخل ہوئی ہے اور وہ اجزا یعنی نصیحت، خواب گاہ سے علیحدگی اور ضرب مرحلہ وار وارد ہوئے ہیں۔ امام رازی نے حضرت علی کے قول کا حوالہ دیا ہے کہ پہلے اسے زبان سے سمجھائے اگر وہ باز آ جائے تو پھر اسے ایذا دینے کے بہانے تلاش نہ کرے۔ اگر وہ نہ مانے تو خواب گاہ سے الگ ہو جائے۔ اگر پھر نہ مانے تو ایک ہلکی ضرب لگائے اور اگر پھر بھی نہ مانے تو پھر میاں بیوی کی طرف سے دو حکم بھیجے جائیں۔ یہ جو کہا گیا ہے کہ مراحل میں ترتیب کا انحصار اس بات پر ہے کہ میاں کو بیوی کی سرکشی کا اندیشہ ہو، لیکن جب اس کو یقین ہو جائے تو یہ سارے اقدام ایک ساتھ اٹھائے جا سکتے ہیں۔ یہ قطعی غلط تصور ہے، کیونکہ ترتیب کا انحصار سرکشی کے خوف پر نہیں، بلکہ ان کی حقیقی سرکشی پر ہے جیسا کہ آیت کے آخر میں 'اَطَعْنَ' کے فعل سے ظاہر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خوف کے معنی یقین کیے گئے ہیں۔ صاحب ''البحر المحیط'' نے آیت کے ضمن میں ابن عطیہ کا قول نقل کیا ہے کہ وعظ ونصیحت خواب گاہ سے علیحدگی اور ضرب مختلف مراحل ہیں اگر ایک مرحلہ میں بیوی مان جائے تو دوسرے مرحلہ کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ امام زمخشری کا قول ہے: سب سے پہلے وعظ کا حکم ہے پھر خواب گاہ سے علیحدگی کا اور پھر ضرب کا۔

قرآن حکیم میں سرکش عورتوں کی اصلاح کے لیے سب سے پہلے حکم یہ ہے کہ مرد ان کو سمجھائیں۔ جہاں ہلکی تدبیر

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

سے اصلاح ہوسکتی ہو وہاں سخت تدبیر سے کام نہیں لینا چاہیے۔ ایسی عورتوں کی صحیح رہنمائی کرنا، انھیں نصیحت کرنا اور مناسب رویہ اپنانے میں ان کی مدد کرنا شوہروں کی ذمہ داری ہے۔ ہوسکتا ہے کہ بیویوں میں کچھ کمزوریاں ہوں اور ان کے بعض رویے مردوں کو پسند نہ آئیں، ایسی صورت میں ان کی رہنمائی کر کے درست راستے کی طرف ان کی رہنمائی کرنی چاہیے۔ ہر سمجھ دار آدمی جانتا ہے کہ کون سی نصیحت عورت پر اثر انداز ہوسکتی ہے۔ نصیحت ہر عورت کی نفسیات کو سامنے رکھ کر کی جائے گی، بعض عورتوں پر یہ چیز اثر انداز ہوگی کہ ان میں اللہ کی نگرانی، اس کے خوف اور سزا کا شعور پیدا کر دیا جائے۔ کچھ عورتیں ایسی ہیں جن کو دنیا میں برے انجام اور جگ ہنسائی سے ڈرایا جاسکتا ہے اور کچھ کے سامنے تاریک مستقبل کا نقشہ پیش کیا جاسکتا ہے۔ سلیم الفطرت خواتین کی اصلاح صرف اسی قدم سے ہو جائے گی اور اگلا قدم اٹھانے کی نوبت نہیں آئے گی۔

دوسرا مرحلہ 'وَاهۡجُرُوۡهُنَّ فِي الۡمَضَاجِعِ' (خواب گاہوں میں ان کو الگ کر دو) 'ھجر' کے معنی انسان کا اپنے غیر سے الگ ہو جانا ہے، خواہ جسم سے الگ ہو یا زبان سے یا دل سے۔ یہاں 'ھجر' کی نسبت 'مضاجع' یعنی خواب گاہوں کی طرف ہے۔ یہ کنایہ ہے جنسی ملاپ کو ترک کرنے کا (suspension of sexual relations) یعنی ان سے محبت آمیز کلام اور محبت کا میل جول ترک کر دیا جائے۔ سیدھے سے اس مفہوم کے بجائے مفسرین نے اس جملے کی ایسی ایسی تفسیریں کی ہیں جن سے قرآن کی طہارت پر حرف آتا ہے۔ ''احکام القرآن'' میں قاضی ابن العربی نے ایسی چار توجیہات کا ذکر کیا ہے جو موضوع کو اور بھی پیچیدہ بنا دیتی ہیں۔ کچھ عورتیں ایسی ہوتی ہیں جو میاں سے محبت کرتی ہیں۔ محض غصے اور طیش کی وجہ سے ان کی عقل پر پردہ پڑ جاتا ہے، کچھ مرد کو آزمانا چاہتی ہیں کہ وہ اس سے کتنی محبت کرتا ہے۔ کچھ اپنے حسن کے غرور میں مبتلا ہو کر مرد کو خوب صورت لباس اور زیورات کی خریداری پر آمادہ کرنا چاہتی ہیں اور کچھ کے سر پر خاندانی برتری کا بھوت سوار ہوتا ہے۔ کچھ کو ان کے خاندان کے لوگ اپنے مفادات کے لیے آمادہ کرتے ہیں کہ وہ یہ رویہ اختیار کریں۔ چنانچہ یہ بھول جاتی ہیں کہ وہ شریک حیات ہیں مد مقابل نہیں۔ اس مرحلے پر دوسرے قدم کی ضرورت پڑے گی۔

بستر کشش و جاذبیت کا مقام ہوتا ہے۔ بیوی کا غرور عروج پر ہوتا ہے۔ اس میدان میں جو عورت کا خاص میدان ہے اگر مرد اپنی قوت ارادی کو استعمال کر کے اپنے آپ پر قابو پالے تو بیوی کا غرور ٹوٹ جائے گا۔ ایک کمرے میں ایک بستر پر ایک ساتھ سونے سے زوجیت کا شعور ابھرتا ہے۔ جب میاں اس حالت میں بیوی سے منہ موڑ کر سوئے گا تو یہ شعور بیوی سے سوال کرے گا کہ اس کا سبب کیا ہے؟ وہ اس سبب کو دور کرنے کی کوشش کرے گی۔ اس طرح

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

ناچاقی ختم ہو جائے گی۔ ایک سلیم الفطرت عورت کے لیے خاوند کی طرف سے ایسا سلوک کافی سزا ہے اور وہ فوراً اپنے رویے کو درست کر لے گی، لیکن اس مفارقت کے بھی کچھ آداب ہیں۔ مرد کو چاہیے کہ خواب گاہ کو نہ چھوڑے۔ حضرت عبداللہ بن عباس کے قول کے مطابق بستر بھی نہ چھوڑے، بلکہ اپنی قوت ارادی سے کام لیتے ہوئے بیوی کی طرف پیٹھ پھیر لینا ہی کافی ہے۔ یہ مفارقت صرف خواب گاہ تک محدود ہو، جیسا کہ امام طبری نے بہز بن حکیم کی روایت سے نقل کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: 'لا تهجر إلا فی المبیت'' یعنی صرف خواب گاہ میں علیحدگی اختیار کرو۔'' دوسرے اپنوں اور غیروں کے سامنے اس علیحدگی کا اظہار نہیں ہونا چاہیے۔ یہ انتہائی حساس معاملہ ہے اس سے بیوی ذلت محسوس کرے گی اور اس کی سرکشی میں اور بھی اضافہ ہوگا۔ مقصد تو بیماری کا علاج ہے نہ کہ بیوی کو ذلیل کر کے خاندان کو برباد کرنا۔ اگر بچوں کو علیحدگی کا علم ہو گیا تو وہ بھی پریشان ہوں گے۔

تیسرے اور آخری مرحلہ کے بیان سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ میں 'اهْجُرُوْهُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ' کی ایک حیرت انگیز تفسیر کی طرف توجہ دلاؤں۔ امام المفسرین محمد بن جریر طبری آیت کے اس ٹکڑے کے بارے میں کم و بیش چار اقوال دینے کے بعد فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک سب سے بہتر قول یہ ہے کہ 'اهجروهن' کو 'هجار' سے ماخوذ مان کر یہ ترجمہ کیا جائے اور ان عورتوں کو بستر کے ساتھ اس رسی سے باندھا جائے جس سے اونٹ کے پاؤں باندھے جاتے ہیں اور پھر ان کو جنسی ملاپ پر مجبور کیا جائے۔ یہ تفسیر پڑھ کر میرے تو رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ قرآنی آیت کی کس قدر وحشیانہ اور غیر انسانی تاویل کی جا رہی ہے محض اس لیے کہ مرد کی حاکمیت کو ثابت کیا جائے۔ اللہ بھلا کرے دو بڑے مفسرین کا جنھوں نے اس تفسیر کو تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔ امام زمخشری نے صرف ایک بلیغ جملہ لکھا ہے کہ یہ تفسیر ان لوگوں نے کی ہے جن کے دماغ بوجھل (ثقال) ہیں، یعنی وہ انسان اور حیوان میں تمیز نہیں کرتے۔ لیکن سب سے اچھی تنقید قاضی ابن العربی ''احکام القرآن'' نے کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ کتاب وسنت کے ایک عالم کی یہ کس قدر بڑی لغزش ہے! مجھے اس بات پر حیرت ہے کہ کس سند کی بنیاد پر انھوں نے یہ تاویل کی ہے۔ ایک روایت کا حوالہ دے کر انھوں نے کہا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ ان کا ماخذ یہ روایت ہو جو کہ غریب ہے۔ حیرت ہے کہ عربی لغت پر اتنا عبور ہونے کے باوجود درست بات ان سے اوجھل رہی۔ امام قرطبی اور صاحب ''البحر المحیط'' نے بھی اس تاویل پر حیرت کا اظہار کیا ہے۔

''تفسیر المنار'' میں ہے 'واضربوهن' (ان کو ہلکی ضرب لگاؤ)۔ امام راغب نے ضرب کے معنی ایک چیز کو دوسری چیز پر واقع کرنے کے لکھے ہیں۔ قرآن میں یہ لفظ ہاتھ سے مارنے کے لیے بھی استعمال ہوا اور لاٹھی سے مارنے کے

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

لیے بھی۔ یہ بھی ہے کہ سر پر مارو، چہروں پر مارو اور پیٹھ پر مارو۔ مگر زیر بحث آیت میں یہ لفظ مطلق استعمال ہوا ہے، اس کے مفعول کا بھی ذکر نہیں۔ جس طرح الصافات (۳۷:۹۳) میں 'ضَرۡبًا بِالۡيَمِيۡنِ' کا ذکر ہے، اسی طرح یہاں پر بھی یہی معنی مراد ہے۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ استعارۃً ہلکے جسم کے آدمی کو 'ضرب' کہا جاتا ہے، اس کو ہلکے پن میں ایک ہلکی ضرب سے تشبیہ دی جاتی ہے۔

اسلام کی تعلیم ایک خاص طبقہ کے لیے نہیں، بلکہ تمام طبقات کے لیے ہے۔ قرآن نے ان سلیم الفطرت عورتوں کا ذکر کیا جن کی اصلاح پندونصیحت سے ہو جاتی ہے اور ان سلیم الفطرت کا بھی ذکر کیا کہ ان کی عزت نفس مجروح ہوئے بغیر محض ان کی اصلاح کی غرض سے خواب گاہ میں ان سے علیحدگی کارگر ثابت ہوتی ہے۔ عورتوں کا ایک طبقہ ہر ملک اور ہر قوم میں ایسا ہے جن کے لیے نہ نصیحت کارگر ہوتی ہے اور نہ محبت کے میل جول کا ٹوٹنا ان پر اثر انداز ہوتا ہے۔ ایسے طبقے کے لیے دو ہی راستے رہ جاتے ہیں: ایک یہ کہ ان کے ساتھ کچھ اور زیادہ سختی کی جائے۔ دوسرے ان کو طلاق دے کر ہمیشہ کے لیے الگ کر دیا جائے۔ شادی کا بندھن بڑا مضبوط بندھن ہے اور اس قابل ہے کہ اس کی پاس داری کی جائے اور اس پیمان وفا کو عمر بھر نبھایا جائے۔ کبھی کبھی مذکورہ دونوں اقدامات ناکافی ثابت ہوتے ہیں اور عورت کی سرکشی قائم رہتی ہے تو آخری علاج اور استثنائی صورت کے طور پر تیسرے مرحلے میں مخصوص شرائط کے ساتھ مرد کو عورت پر ہاتھ اٹھانے کی اجازت ہے۔ صرف ایسی عورتوں پر جو اپنی فطرت اور مزاج کی وجہ سے ضرب کے بغیر ٹھیک نہیں ہوتیں۔ فرض کریں اگر سو میں سے ایک عورت کی اصلاح مار کے ذریعے ممکن ہو تو اسلام اصلاح کے اس اسلوب کو کیوں ممنوع قرار دے۔ اس آیت مبارکہ میں اصلاحی تدابیر کا تدریجی ذکر بھی اس حقیقت کو واضح کرتا ہے کہ اس تدبیر کو استعمال کرنے کی اس موقع پر اجازت دی گئی ہے جہاں سب تدبیریں ناکام ہو جائیں، جہاں بیوی اپنی فطرت سے بالکل منحرف ہو گئی ہو اور یہ انحراف معمولی نوعیت کا نہ ہو۔ صحیح مسلم کی روایت بتاتی ہے کہ بیوی کو کب مارا جائے گا۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں فرمایا:

إتقوا اللّٰه فی النساء فإنهن عندكم عوان ولكم عليهن أن لا يوطئن فرشكم أحد تكرهونه فإن فعلن ذلك فاضربوهن ضربًا غير مبرّح.

''عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو، کیونکہ وہ تمھارے پاس قیدیوں کی طرح ہیں (زمانۂ جاہلیت میں ایسی سوسائٹی تھی) اور تمھارا ان پر یہ حق ہے کہ تمھارے گھر میں کسی دوسرے کو نہ آنے دیں جس کو تم ناپسند کرتے ہو اگر وہ ایسا کریں تو ان کو مارو مگر صرف اس طرح کہ مار کا نشان نہ پڑے۔''

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مارنے کی اجازت سخت جرم پر ہے۔ کسی خاوند کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ چھوٹی چھوٹی غلطیوں پر بیوی کو پیٹتا رہے۔ عورت کی ہر کوتاہی، غفلت، بے پروائی یا اپنی شخصیت، اپنی رائے اور ذوق کے اظہار کی قدرتی خواہش پر اس کو مارنے لگے۔ یہ اجازت دین کا نام لے کر جلاد بننے کے لیے نہیں ہے۔

ضرب لگانے کی تجویز سنت نبوی کی روشنی میں

دیکھنا یہ ہے کہ یہ تجویز عہد نبوت میں کیسے بروے کار لائی گئی۔ دور جاہلیت میں عورتوں پر ہر قسم کا جسمانی اور نفسیاتی تشدد روا رکھا جاتا تھا۔ زیر بحث آیت مدنی زندگی کے ابتدائی دور میں نازل ہوئی جب عورت پر ایک عرصے سے مسلط جور و ستم ابھی جاری تھا۔ اس سے ذہن میں زمانۂ جاہلیت کے رسم و رواج کی قرآنی ہدایات کے ساتھ ایک نفسیاتی کش مکش کی تصویر کشی ہوتی ہے۔ یہ کش مکش زندگی کے مختلف میدانوں میں نظر آتی ہے۔ یہ اس زمانہ کی بات ہے جب اسلامی تعلیمات مسلمانوں کے دل و دماغ میں راسخ نہیں ہوئی تھیں۔ آیت کا واضح مقصد عورت کے اس وقت کے وحشیانہ ظلم کو محض ایک ہلکی ضرب لگانے تک محدود کرنا تھا، نہ کہ مار پیٹ کی حوصلہ افزائی کرنا اور اس حرکت کے لیے لائسنس جاری کرنا۔ اس سلسلہ میں مرحلہ وار احادیث یوں مروی ہیں:

ابوداؤد، سنن النسائی الکبریٰ اور ابن ماجہ نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لا تضربوا إماء الله. ''اللہ کی بندیوں کو مت مارا کرو۔''

(رقم ۲۱۴۶، ۹۱۶۷، ۱۹۸۵)

اس کے بعد حضرت عمر، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور عرض کی کہ ہم اہل قریش کے مرد عورتوں پر غالب تھے۔ ہم مدینہ آئے تو ہم نے دیکھا کہ اہل مدینہ کی عورتیں مردوں پر غالب ہیں۔ ہماری عورتیں ان کی عورتوں سے مل کر مردوں کے خلاف سرکش ہو گئی ہیں تو میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا اور گزارش کی کہ عورتوں نے مردوں کے خلاف بغاوت کر دی ہے تو آپ نے مارنے کی اجازت دے دی۔ اس کے بعد عورتوں کے گروہ ازواج مطہرات کے پاس آئے جو اپنے خاوندوں کی شکایت کر رہی تھیں۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو جمع کر کے فرمایا:

لقد أطاف الليلة بآل محمد سبعون إمراة كلهن يشكون أزواجهن ولا ''آج رات ستر عورتیں اپنے خاوندوں کی شکایت لے کر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے گھر والوں کے پاس

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

تجدون اولئك خيارکم. ومعناه أن الذين ضربوا أزواجهم ليسوا خيرًا ممن لم يضربوا. (التفسیر الکبیر ۱۰/۷۳)

آئیں۔ یہ لوگ تم میں سے اچھے لوگ نہیں۔ مطلب یہ کہ جو لوگ اپنی بیویوں کو مارتے ہیں وہ ان سے اچھے نہیں جو نہیں مارتے۔''

امام رازی کہتے ہیں کہ امام شافعی کا قول ہے کہ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ نہ مارنا زیادہ بہتر ہے۔ ویسے بھی زیر بحث حدیث کے بارے میں امام شافعی کا قول ہے کہ مارنے کی اجازت ہے، حکم نہیں۔ قاضی ابن العربی نے ''احکام القرآن'' میں مشہور تابعی عطاء کا قول نقل کیا ہے:

لا يضربها وإن أمرها ونهاها ولم تطعه ولكن يغضب عليها. (۱/۵۳۶)

''یعنی بیوی کو مت مارے، خواہ وہ اس کا حکم نہ مانے، ہاں غصے کا اظہار کرے۔''

قاضی صاحب فرماتے ہیں کہ یہاں مارنے کا حکم مباح کے معنوں میں ہے، مگر مکروہ ہے۔ انھوں نے دلیل کے طور پر عبداللہ بن زمعہ کی حدیث پیش کی ہے کہ آپ نے فرمایا:

إني لأكره للرجل بضرب أمته عند غضبه ولعله أن يضاجعها من يومه. (احکام القرآن ۱/۵۳۶)

''میں اس بات کو ناپسند کرتا ہوں کہ آدمی اپنی باندی کو مارے پیٹے، ہوسکتا ہے کہ وہ اسی روز اس سے ہم بستری بھی کرے۔''

عبداللہ بن زمعہ سے مروی ہے:

قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: أيضرب أحدكم إمرأته كما يضرب العبد ثم يجامعها في آخر اليوم. (بخاری، رقم ۴۹۰۸)

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم میں سے کوئی اپنی بیوی کو دن کے شروع میں ایسے مارتا ہے جیسے غلام کو مارا جاتا ہے اور دن کے آخر میں اس سے ہم بستری کرتا ہے۔''

کیونکہ مرد اور بیوی کا ملاپ گہرے بندھن اور ایک دوسرے کا جزو ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ ایک شریف اور باعزت انسان یہ کیسے گوارا کرسکتا ہے کہ وہ اپنے ہی ایک جزو کو غلاموں کی طرح کوڑوں سے مارے۔ نہ اسے دل مانتا ہے نہ دماغ۔ ترمذی اور طبرانی نے ایک اور حدیث روایت کی ہے:

خيركم خيركم لأهله وأنا خيركم لأهلي. (ترمذی، رقم ۳۸۹۵۔ المعجم الکبیر، رقم ۸۵۳)

''تم میں سے بہتر وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے لیے بہتر ہو اور میں اپنے گھر والوں کے لیے تم سب سے بہتر ہوں۔''

نبی کریم کی سیرت

ام المومنین حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی بیوی یا خادم کو نہیں مارا اور انھوں نے اپنے ہاتھ سے کسی کو بھی ضرب نہیں لگائی۔ آپ کے پاس نو بیبیاں تھیں اور بیویوں میں اکثر جھگڑے ہوتے رہتے ہیں جن سے مرد غضب میں آ کر ان پر زیادتی کر بیٹھتے ہیں۔ جو لوگ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا نمونہ بنانا چاہتے ہیں، وہ کبھی بھی بیویوں پر ہاتھ نہیں اٹھا سکتے۔ اگر مارنے کی ضرورت پڑے تو ضرب ہلکی ہو بار بار ایک جگہ پر نہ مارا جائے، اذیت رساں نہ ہو اور اپنے پیچھے نشان چھوڑنے والی نہ ہو، لاٹھی اور کوڑے سے نہ مارا جائے۔ حضرت ابن عباس سے غیر مبرح ضرب کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: مسواک یا اس جیسی چیز سے مارا جائے۔ چہرے پر نہ مارا جائے، کیونکہ چہرہ اللہ تعالیٰ کی صفت رحمت کا آئینہ دار ہے۔ مارنا اصلاح کے لیے ہو، نہ کہ انتقام کے لیے در اصل مارنے کا مقصد بیوی میں عظمت اور عزت کے جذبات پیدا کر کے اس میں تحریک پیدا کرنا ہوتا ہے۔ لہٰذا اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے کم از کم وسائل کا استعمال ضروری ہے۔ مولانا مودودی ''تفہیم القرآن'' میں زیر بحث آیت کے تحت کہتے ہیں ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیویوں کو مارنے کی جب کبھی اجازت دی ہے، با دل نخواستہ دی ہے اور پھر بھی اسے ناپسند فرمایا ہے''۔

فَاِنْ اَطَعْنَکُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَیْھِنَّ سَبِیْلًا. (النساء ۴:۳۴) ''پھر اگر وہ تمھارا کہا مان لیں تو پھر ان کو ایذا دینے کے بہانے نہ تلاش کرو۔''

اللہ نے اس ٹکڑے میں اصلاح کی حد بندی کر کے صحیح راستے کی نشان دہی کر دی ہے۔ ٹکڑے کا مطلب ہے کہ اگر وہ وعظ و نصیحت سے ہی 'نشوز' سے رجوع کر لیں تو بستر سے علیحدگی اور ضرب لگانے کے لیے بہانے مت تلاش کرو، یہ ظلم ہے۔ ان الفاظ سے صاف پتا چلتا ہے کہ اوپر کی ترتیب تدریجی ہے۔ اگر پہلے مرحلہ پر عورت مان جائے تو دوسرے مرحلہ کی نوبت نہیں آنی چاہیے، ورنہ حدود سے تجاوز ہوگا، جس پر اللہ کی بارگاہ میں سخت باز پرس ہوگی۔ وہ مرد جو عورتوں پر ظلم کرتے ہیں، ان کو اپنے گھروں میں تو سیادت حاصل ہو جاتی ہے، مگر ان کے بچوں کی تربیت ظلم سہنے کے ماحول میں ہوتی ہے۔ پس وہ بھی غلاموں کے مانند ان کے سامنے ذلیل ہو جاتے ہیں جن کے ساتھ ان کو زندگی گزارنے کی ضرورت پڑتی ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلِیًّا کَبِیْرًا. (النساء ۴:۳۴) ''بے شک، اللہ بلند اور بہت بڑا ہے۔''

امام طبری ''جامع البیان'' (۵/ ۷۰) میں فرماتے ہیں: ''بے شک، اللہ ان سے اور ہر چیز سے بلند ہے۔ تم اس کے قبضۂ قدرت میں ہو۔ پس عورتوں پر ظلم کرتے اور ان کی ایذا کے بہانے ڈھونڈتے وقت اللہ سے ڈرو، وگرنہ

تمھارا رب جوتم سے بلند تر ہےتم سے ان کا بدلہ لے لے گا۔'' آیت کے اس ٹکڑے میں مردوں کے لیے تنبیہ ہے کہ اپنی طاقت کا گھمنڈ نہ کرو اللہ کی طاقت ان کی طاقت سے زیادہ ہے۔ اگر وہ حد سے بڑھ کر ہاتھ اٹھائیں گے تو اللہ ان پر سزا کا ہاتھ اٹھائے گا۔

دوسری آیت النساء (۴: ۱۲۸) میں اللہ نے لفظ 'نشوز' میاں بیوی دونوں کے لیے استعمال کر کے بتایا ہے کہ شادی کا معاہدہ طرفین کے درمیان طے پاتا ہے۔ اگر بیوی اس معاہدے میں خرابی پیدا کرنے کی کاوش کرے گی تو وہ سرکش اور نافرمان قرار پائے گی اور اگر میاں اس میں بگاڑ پیدا کرنے کی کوشش کرے گا تو وہ سرکش اور نافرمان کہلائے گا۔ دونوں کو برابر کی اہمیت دی گئی ہے۔ 'نشوز' سے مراد صرف ایک عورت کی طرف سے اپنے شوہر کی نافرمانی ہرگز نہیں، جیسا کہ غلط طور پر سمجھا جاتا ہے۔ سید قطب نے ''فی ظلال القرآن'' میں 'نشوز' سے مراد ازدواجی معاملات میں خرابی بیان کیے ہیں۔ زیرنظر آیت میں اس سرکشی اور پہلوتہی کا ذکر ہے جو شوہر کی جانب سے ہوتی ہے جب وہ اپنی بیوی کے سامنے اونچی اور بلند سرزمین کی طرح سر اٹھا کر کھڑا ہو جاتا ہے اور اپنے آپ کو بلند و برتر سمجھ کر بیوی کی طرف اس نگاہ سے نہیں دیکھتا جس نگاہ سے ایک ساتھی دوسرے ساتھی کی طرف دیکھتا ہے۔ علامات و آثار کا یقین ہونے پر بیوی کو اپنے اور بچوں کے مستقبل کی فکر لاحق ہو جاتی ہے، ہوسکتا ہے کہ یہ علامات بڑھتے بڑھتے جدائی کی صورت اختیار کر لیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایسی صورت پیدا ہونے سے پہلے زمینی حقائق کو پیش نظر رکھ کر آپس میں مصالحت کی تجویز دی ہے۔

اللہ نے عورتوں کے بارے میں فتویٰ کا وعدہ کیا ہے۔ زیرنظر آیت میں اللہ نے وہ فتویٰ دیا ہے۔ اس آیت میں عورتوں کے جذبات واحساسات کا خیال کرتے ہوئے اللہ نے لفظ 'نشوز' کے ساتھ لفظ اعراض کا اضافہ کیا ہے۔ کم و بیش سب مفسرین نے لکھا ہے کہ مرد کا 'نشوز' یہ ہے کہ بیوی سے بدسلوکی کرے۔ وہ اس طرح کہ اپنے آپ کو، نان و نفقہ کو اور پیار اور محبت کو بیوی سے روکے رکھے اور اسے گالی گلوچ اور مار پیٹ سے ایذا پہنچائے۔ اعراض 'نشوز' سے کم تر ہے، یعنی بیوی سے گفتگو نہ کرے اور انس ومحبت سے پیش نہ آئے۔ اللہ نے مرد کی روگردانی اور پہلوتہی کو بھی برداشت نہیں کیا، بلکہ اسے 'نشوز' ہی کے زمرے میں شمار کیا ہے۔ اس آیت کے سیاق میں تعدد ازواج کے مسئلہ کا ذکر ہے اور بعد والی آیت میں بتایا گیا ہے کہ تم بیویوں کے درمیان عدل نہیں کر سکتے۔ آیت کے شان نزول میں چار مختلف روایات ہیں، سب کا موضوع یہی ہے کہ مرد دوسری شادی کرنا چاہتا ہے۔ سب روایات میں دوسری شادی کے لیے مرد کو حق بجانب سمجھا گیا ہے، خواہ یہ شادی کسی معقول سبب کی وجہ سے ہو، یعنی پہلی بیوی سے اولاد نہ ہو یا وہ مستقل بیمار ہو اور اس کی شفایابی کی امید نہ ہو یا محض لذت پرستی کے سوا کوئی سبب نہ ہو، یعنی بیوی بوڑھی ہوگئی ہو، بدصورت

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

لگنے لگی ہو، لذت پرستی کے لیے جوان اور خوب صورت سے شادی کرنا چاہتا ہو، مقام حیرت یہ ہے کہ ان روایات میں ایک روایت ام المومنین حضرت سودہ کے بارے میں ہے جنھوں نے طلاق کے خوف سے اپنی باری ام المومنین حضرت عائشہ کو دے دی تھی۔ روایت بیان کرنے والوں نے اس بات کا خیال نہ کیا کہ بات سرکش خاوند کی ہو رہی ہے۔ کیا نعوذ باللہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایسے تھے؟ وہ تو انتہائی شفیق اور مہربان شوہر تھے، خاوند کو حاکم و مستبد ثابت کرنے کے لیے لوگوں کے منہ سے کیا کیا بے ہودہ باتیں نکل جاتی ہیں؟ امام ابن حزم ''المحلّٰی'' (۹۲/۱۰) میں لکھتے ہیں کہ جب حضرت سودہ سن رسیدہ ہو گئیں تو انھوں نے خود ہی اپنی باری حضرت عائشہ کو دے دی، آپ نے طلاق دینے کا قطعی قصد نہیں کیا تھا۔

زیر نظر آیت کا مضمون عام ہے، اسے دوسری شادی کے لیے محدود نہیں کیا جا سکتا۔ بالفرض اگر آیت کے سیاق و سباق کے لحاظ سے 'نشوز' کو دوسری شادی تک ہی محدود کر لیا جائے تو پھر بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ نے دوسری شادی کو سرکشی سے تعبیر کیا ہے۔ ازدواجی زندگی زوجین کے باہمی سکون پر قائم ہے۔ آیت میں اس علامت کی طرف اشارہ ہے جس سے پریشانی کے احساسات ابھرتے ہیں، وہ اس طرح کہ عورت محسوس کرتی ہے کہ مرد اپنے آپ کو برتر سمجھ کر اس کی طرف دھیان نہیں دیتا اور اسے اس کی طرف سے کشیدگی اور بے رخی کا احساس ہوتا ہے۔ خوف کی تعبیر اس اندرونی کش مکش کو ظاہر کرتی ہے جو عورت کو اپنے اور بچوں کے مستقبل کے بارے میں لاحق ہوتی ہے اور ڈرتی ہے کہ کہیں یہ بڑھتے بڑھتے لاعلاج نہ ہو جائے اور ازدواجی رشتہ ٹوٹ جائے۔ بیوی کو اس بات کا یقین ہونا چاہیے کہ اس کا میاں تکبر کا شکار ہے اور اس سے بے رخی کرتا ہے۔ محض وہم اور وسوسہ نہ ہو۔ ہو سکتا ہے کہ میاں مالی اور سیاسی امور میں مصروف ہو یا علمی گتھی سلجھانے میں لگا ہو یا ان کے علاوہ دینی و دنیوی مسائل میں مشغول ہو، اس کے لیے لازم ہے کہ وہ تکبر اور بے رخی کی چھان بین کرے۔ اگر اسے پتا چل جائے کہ یہ نفرت اور بغض کی وجہ سے نہیں، بلکہ دوسرے خارجی اسباب کی وجہ سے ہے تو ضروری ہے کہ وہ اپنے شوہر کو معذور سمجھے اور صبر سے کام لے۔

میاں کی سرکشی کا مداوا

میاں کی جانب سے ہر وہ بات جس سے بیوی کے جذبات مجروح ہوتے ہوں، اس کا اور بچوں کا مستقبل خطرے میں پڑتا ہو اور گھر کا سکون برباد ہوتا ہو، وہ سرکشی اور پہلو تہی کے زمرے میں شمار ہو گی خواہ وہ محض بدسلوکی یا مار پیٹ کی ایذا رسانی کی شکل میں ہو یا محض لذت پرستی کی خاطر، دوسری شادی کا روپ دھار لے یا بیوی کے علاوہ دوسری عورتوں سے ناجائز جنسی تعلقات کی صورت میں ہو۔ اس مشکل کا علاج اللہ نے یہ تجویز کیا ہے:

فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا وَالصُّلْحُ خَيْرٌ. (النساء۴:۱۲۸)

’’تو میاں بیوی پر کچھ گناہ نہیں کہ آپس میں (کسی قرارداد پر) صلح کرلیں اور صلح بہرحال بہتر ہے۔‘‘

مرد چونکہ قصوروار ہے، اس لیے صلح کے لیے پہل اسے ہی کرنی پڑے گی۔ اگر میاں کچھ اپنے حقوق کو چھوڑ دے اور کچھ دوسرے کے حقوق پر دست درازی کو چھوڑ دے تو صلح آسانی سے ہوسکتی ہے۔ اصلاح احوال کی غرض سے مرد کو اپنے مال اور خواہشات کی قربانی دینی پڑے گی، کیونکہ مصالحت کے معاملہ میں عموماً روپے پیسے اور خواہشات سدراہ ہو جایا کرتی ہیں۔ اسے اپنی بیوی کو یقین دہانی کرانی پڑے گی کہ وہ سرکشی کے سارے خدشات کو دور کر دے گا، بدسلوکی اور ایذا رسانی نہیں کرے گا۔ حرام کاری سے بچے گا اور جنسی لذت کے لیے دوسری شادی نہیں کرے گا یا اگر دوسری شادی کسی معقول سبب کی وجہ سے کرے گا تو وہ پہلے سے بڑھ کر اس کے حقوق کی حفاظت کرے گا اور اس کے لیے اگر زیادہ مال خرچ کرنا پڑا تو وہ ضرور کرے گا اور اسے اور اس کے بچوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچنے دے گا اور بیوی اپنے اور اپنے بچوں کے مستقبل کی خاطر جذبات کی قربانی دینے کے لیے تیار ہو جائے۔ اس سے نکاح کی گرہ ٹوٹنے سے بچ جائے گی، اسی لیے ’وَالصُّلْحُ خَيْرٌ‘ کی تعبیر استعمال کی گئی ہے۔ صلح کا اختیار بیوی کے پاس ہے۔ اس کو صلح پر مجبور نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ ایسا کرنا ظلم ہے۔ بیوی اپنی مصلحت کو سامنے رکھ کر فیصلہ کرے گی۔ اگر وہ سمجھے کہ طلاق کے بجائے شوہر کے ساتھ رہنا اس کے حق میں بہتر ہے تو وہ اس کے ساتھ رہے گی اور اگر وہ سمجھے کہ شوہر کی سرکشی کو وہ برداشت نہیں کرسکتی تو وہ اس سے علیحدہ ہونے میں آزاد ہوگی۔ اسلام نے فسخ نکاح کا حق عورت کو دیا ہے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ میں اس طرف اشارہ کروں کہ اس آیت کی تفسیر میں بھی مفسرین نے مردانہ تعصب سے کام لیا ہے۔ مرد کے قصوروار ہونے کے باوجود وہ صلح کا سارا بوجھ عورت پر ڈالتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ مرد پر عورت کے تین حقوق ہوتے ہیں، حق مہر، نان ونفقہ اور شب بسری۔ مرد کی خواہش کو پورا کرنے کے لیے اسے ان تمام حقوق سے یا ان میں سے کچھ حقوق سے دست بردار ہونا چاہیے۔ مجھے یہ سمجھ نہیں آتی کہ ان حقوق سے دست بردار ہونے کے بعد وہ بیوی کیسے رہے گی، وہ تو یرغمال بن جائے گی۔ گویا عورت ان کے نزدیک جذبات واحساسات رکھنے والی انسان نہیں، بلکہ ایک بے روح چیز ہے جو شوہر کی خواہش کو پورا کرنے کے لیے اپنے جذبات اور اپنے بچوں کا مستقبل قربان کر دے گی۔ کیا یہ عادلانہ نظام ہے اور سکون ومحبت کی وہ فضا ہے جو اسلام قائم رکھنا چاہتا ہے؟ تعصب نے ان کی آنکھوں پر ایسا پردہ ڈال دیا ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات کو بھی انھوں نے حاکم ومستبد شوہروں کی صف میں لا کھڑا کیا ہے۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

اُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ. (النساء۴:۱۲۸) ''بخل اور حرص انسانی نفوس کے سامنے حاضر رہتا ہے۔''

'شُحّ' اس بخل کو کہتے ہیں جس کے ساتھ حرص جمع ہو۔ بخل تو یہ ہے کہ انسان اپنے کسی حق کو چھوڑنا نہیں چاہتا اور حرص یہ ہے کہ کسی دوسرے کا حق چھیننا چاہتا ہے۔ اگر یہ بخل و حرص نہ ہوں تو صلح آسانی سے ہو سکتی ہے۔ قرآن حکیم کی لغت کے لحاظ سے انتہائی بلیغ تعبیر ہے جو اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ انسان کی سرشت میں بخل اور حرص داخل ہے، وہ کبھی اس سے غائب نہیں ہوتا۔ آیت کا مقصد یہ ہے کہ میاں بیوی کو ایک دوسرے کو خوش رکھنے کے لیے بخل اور حرص سے کام نہیں لینا چاہیے، بلکہ مل جل کر مصالحت کے عمل کو پایۂ تکمیل تک پہنچانا چاہیے تاکہ ہر ایک کی وہ خواہش پوری ہو جائے جس کی توقع وہ دوسرے سے کر رہا ہے۔

'اَنْفُس' سے مراد نفوس انسانی ہیں جس میں مرد اور عورت دونوں شامل ہیں، مگر بعض مفسرین نے اپنے مردانہ مزاج کے پیش نظر بخل اور لالچ کو عورتوں کے ساتھ خاص کر دیا ہے تاکہ عورت سرکش مرد کی خواہشات کو پورا کرنے کے لیے اپنے حقوق کو قربان کرنے میں بخل سے کام نہ لے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ مرد کوئی آسمانی مخلوق ہے اور حرص و بخل اس کے پاس بھی پھٹک نہیں سکتا۔ امام ابن جریر نے اسی قول کو ترجیح دی ہے کہ بخل اور حرص عورتوں کا خاصہ ہے، حالاں کہ انصاف کا تقاضا ہے کہ بخل اور حرص کو مرد کی طرف منسوب کیا جائے، کیونکہ سرکشی کا ارتکاب اس کی طرف سے ہو رہا ہے اور وہ اس بات سے بخل کر رہا ہے کہ اپنی زندگی بچوں والی پرانی بیوی کے ساتھ گزارے اور حریص ہے کہ نوجوان نئی نویلی دلہن بیاہ لائے جو اس کے لیے جنسی لذت کا سامان مہیا کرے اور اس کی پہلی بیوی اور بچے صرف دو وقت کی روٹی کھانے کے لیے ایسا سب کچھ اس کی خواہشات پر نچھاور کر دیں۔ اس سے بڑا استیصال اور بلیک میلنگ اور کیا ہو سکتی ہے؟ کیا یہی ہے پیار، محبت اور سکون کی فضا جو اسلام خاندان کے درمیان قائم کرنا چاہتا ہے؟

وَاِنْ تُحْسِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا. (النساء۴:۱۲۸) ''اگر تم احسان کرو اور تقویٰ کرو تو اللہ اس سے جو تم کرتے ہو باخبر ہے۔''

یہاں خاص طور پر عورتوں کے ساتھ معاشرت میں احسان کرنا اور ان کی حق تلفی سے بچنا اور ان کے خلاف سرکشی اور پہلوتہی سے اجتناب کرنا مراد ہے۔ امام رازی فرماتے ہیں کہ یہاں مردوں سے خطاب کیا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ اپنی بیوی کو قائم رکھو، خواہ وہ تمھیں ناپسند ہو اور خواہ تمھیں تمھاری خواہش کے مطابق جنسی لذت حاصل نہ ہوتی ہو۔ اللہ تعالیٰ تمھیں تمھارے حسن سلوک کا اجر دے گا۔ صاحب ''البحر المحیط'' نے ماتریدی کا قول نقل کیا ہے کہ 'اِنْ

تُحسِنُوا' سے مراد یہ ہے کہ تم عورتوں کو ان کے حقوق سے بڑھ کر دو۔'تَتَّقُوا' سے یہ مراد ہے کہ ان کے حقوق میں سے کچھ بھی کم نہ کرو۔ مولانا امین احسن اصلاحی ''تدبر قرآن'' میں فرماتے ہیں کہ ''اِنْ تُحسِنُوا 'اور'تَتَّقُوا' کے الفاظ سے مرد کو ابھارا گیا ہے کہ ایثار و قربانی اور احسان و تقویٰ کا میدان اصلاً اسی کے شایان شان ہے۔ وہ عورت سے لینے والا بننے کے بجاے اسے دینے والا بنے''۔ گویا دونوں کو صلح صفائی کا مشورہ دینے کے بعد احسان و تقویٰ کی ذمہ داری صرف مردوں پر عائد کی گئی ہے۔ سرکشی چونکہ ان کی طرف سے ہے، اس لیے بیوی سے حسن سلوک اور اس کے حقوق کی پاس داری بھی انھوں نے کرنی ہے۔ امام زمخشری نے اس سلسلہ میں بڑی دل چسپ روایت بیان کی ہے کہ عمران بن حطان خارجی نہایت بدشکل تھا، مگر اس کی بیوی انتہائی خوش شکل، ایک دن بیوی نے عمران کے چہرے پر نظر ڈال کر کہا: الحمدللہ، اس نے پوچھا: تم نے ایسا کیوں کہا ہے؟ اس نے کہا: میں بھی جنتی ہوں اور تو بھی جنتی ہے۔ وہ کہنے لگا: وہ کیسے؟ اس نے جواب دیا، کیونکہ تجھے میرے جیسی بیوی ملی تو تو نے اللہ کا شکر ادا کیا اور مجھے تجھ جیسا شوہر ملا تو میں نے صبر کیا۔ اللہ نے شکر کرنے والے اور صبر کرنے والے بندوں سے جنت کا وعدہ فرمایا ہے۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

قرآن نے بتایا ہے کہ بیوی کے اچھے برے ہونے کا اندازہ صرف ایک پہلو دیکھ کر نہیں لگانا چاہیے، بالکل اسی طرح مرد کے اچھے یا برا ہونے کا اندازہ صرف ایک پہلو دیکھ کر نہیں لگانا چاہیے۔ ہوسکتا ہے کہ جو عورت یا مرد صورت کے حسین نہ ہوں، وہ سیرت کے حسین ہوں۔ وفاداری، فرماں برداری، امانت و دیانت، شایستگی اور خوش اخلاقی حسن و جمال ہی کے مختلف انداز ہیں۔

خوبی ہمیں کرشمہ و ناز و خرام نیست   بسیار شیوہ ہاست بتاں را کہ نام نیست

قرآن نے جو احکام بیان کیے ہیں، ان میں انسانی فطرت اور زمینی حقائق کو سامنے رکھا ہے۔ اگر میاں بیوی کی زندگی میں خلاف معمول کوئی بات ہو جائے تو دونوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ عدل و انصاف کے تقاضے پورے کریں۔ اگر ان کو خوف ہو کہ وہ اللہ کے قائم کیے ہوئے حدود کو قائم نہ رکھ سکیں گے تو ان میں سے جو بھی دوسرے سے خلاصی چاہے، وہ دوسرے کو راضی کر لے۔

امین احسن اصلاحی

مولانا اختر احسن اصلاحی

میں اور مولانا اختر احسن ـــــ اصلاحی مرحوم دونوں ایک ہی ساتھ ۱۹۱۴ء میں مدرسۃ الاصلاح ـــــ سیرائے میر، اعظم گڑھ ـــــ کے ابتدائی درجوں میں داخل ہوئے اور مدرسہ کا تعلیمی کورس پورا کر کے ایک ہی ساتھ ۱۹۲۲ء میں فارغ ہوئے۔ اس کے بعد مولانا اختر احسن تو مدرسہ ہی میں تدریس کی خدمت پر مامور ہو گئے اور میں دو اڑھائی سال اخبارات میں اخبار نویسی کرتا پھرا۔ ۱۹۲۵ء میں استاذ امام مولانا فراہی نے مجھے یہ ایماء فرمایا کہ میں اخبار نویسی کا لا طائل مشغلہ چھوڑ کر ان سے قرآن حکیم پڑھوں۔ میرے لیے اس سے بڑا شرف اور کیا ہو سکتا تھا۔ میں فوراً تیار ہو گیا اور مولانا نے مدرسہ ہی میں درس قرآن کا آغاز فرما دیا جس میں مدرسہ کے دوسرے اساتذہ کے ساتھ مولانا اختر احسن مرحوم بھی شریک ہوتے رہے۔ یہ سلسلہ پورے پانچ سال قائم رہا۔

طالب علمی کے دور میں تو ہم دونوں کے درمیان ایک قسم کی معاصرانہ چشمک و رقابت رہی ـــــ تعلیم کے میدان میں بھی اور کھیل کے میدان میں بھی۔ لیکن مولانا فراہی کے درس میں شریک ہونے کے بعد ہم میں ایسی محبت پیدا ہو گئی کہ اگر میں یہ کہوں تو ذرا بھی مبالغہ نہ ہو گا کہ ہماری یہ محبت دو حقیقی بھائیوں کی محبت تھی۔ وہ عمر میں مجھ سے غالباً سال ڈیڑھ سال بڑے رہے ہوں گے۔ انھوں نے اس بڑائی کا حق یوں ادا کیا کہ جن علمی خامیوں کو دور کرنے میں مجھے ان کی مدد کی ضرورت ہوئی، اس میں انھوں نے نہایت فیاضی سے میری مدد کی۔ بعض فنی چیزوں میں ان کو مجھ پر نہایت نمایاں تفوّق حاصل تھا۔ اس طرح کی چیزوں میں ان کی مدد سے میں نے فائدہ اٹھایا۔ اس پہلو سے اگر میں ان کو اپنا ساتھی ہی نہیں استاذ بھی کہوں تو شاید بے جا نہ ہو۔

مولانا فراہی کے درس میں اگرچہ مدرسہ کے دوسرے اساتذہ بھی شریک ہوتے، لیکن میرے واحد ساتھی مولانا اختر احسن ہی تھے۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی خاص توجہ بھی ہم ہی دونوں پر رہی۔ مولانا اختر احسن اگرچہ بہت کم سخن آدمی تھے، لیکن ذہین اور نہایت نیک مزاج۔ اس وجہ سے ان کو برابر مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا خاص قرب اور اعتماد حاصل رہا۔

انھوں نے حضرت استاذ کے علم کی طرح ان کے عمل کو بھی اپنانے کی کوشش کی، جس کی جھلک ان کی زندگی کے ہر پہلو میں نمایاں ہوئی اور مجھے ان کی اس خصوصیت پر برابر رشک رہا۔

مولانا اختر احسن کو استاذ امام رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت کا بھی شرف حاصل ہوا، حالانکہ مولانا کسی کو خدمت کا موقع مشکل ہی سے دیتے تھے۔ یہ شرف ان کو ان کی طبیعت کی انھی خوبیوں کی وجہ سے حاصل ہوا، جن کی طرف میں نے اوپر اشارہ کیا۔

استاذ امام رحمۃ اللہ علیہ مدرسۃ الاصلاح کے ذریعہ سے جو تعلیمی اور فکری انقلاب پیدا کرنا چاہتے تھے، اس میں سب سے بڑی رکاوٹ موزوں اشخاص نہ ملنے کے سبب سے تھی۔ مولانا اختر احسن مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی تربیت سے اس تعلیمی مقصد کے لیے بہترین آدمی بن گئے تھے۔ اگر ان کو کام کرنے کی فرصت ملی ہوتی تو توقع تھی کہ ان کی تربیت سے مدرسۃ الاصلاح میں نہایت عمدہ صلاحیتوں کے اتنے اشخاص پیدا ہو جاتے جو نہایت وسیع دائرے میں کام کر سکتے۔ لیکن ان کو عمر بہت کم ملی، اور جو ملی اس میں بھی وہ برابر مختلف امراض کے ہدف رہے، تاہم اللہ تعالیٰ نے ان کو بڑا حوصلہ عطا فرمایا تھا۔ اپنی مختصر زندگی میں انھوں نے مدرسۃ الاصلاح کی بڑی خدمت کی۔ اور خاص بات یہ ہے کہ اپنی اس خدمت کا معاوضہ انھوں نے اتنا کم لیا کہ اس ایثار کی کوئی دوسری مثال مشکل ہی سے مل سکے گی۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

میں نے ۱۹۳۵ء میں استاذ امام رحمۃ اللہ علیہ کی غیر مطبوعہ تصنیفات کی ترتیب وتہذیب اور اشاعت کے لیے مدرسۃ الاصلاح میں دائرۂ حمیدیہ کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا۔ اس کے زیر اہتمام ایک اردو ماہنامہ 'الاصلاح' کے نام سے جاری کیا تاکہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے افکار سے اردو خواں طبقہ کو بھی آشنا کیا جائے۔ اس ادارے میں مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے عربی مسودات کی ترتیب وتہذیب کا کام مولانا اختر احسن مرحوم نے اپنے ذمہ لیا اور رسالہ کی ترتیب کی ذمہ داری میں نے اٹھائی۔ مولانا اختر احسن مرحوم اگرچہ تحریر وتقریر کے میدان کے آدمی نہیں تھے، لیکن مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیفات کے ترجمہ کے کام میں انھوں نے میری بڑی مدد فرمائی اور رسالہ میں بھی ان کے مضامین وقتاً فوقتاً نکلتے رہے۔ رسالہ تو کچھ عرصہ کے بعد بند ہو گیا، لیکن دائرۂ حمیدیہ الحمد للہ! برابر استاذ امام کی عربی تصنیفات کی اشاعت کا کام کر رہا ہے اور اس کے کرتا دھرتا مولانا اختر احسن مرحوم کے تلامذہ ہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی سعی مشکور فرمائے!

مولانا اختر احسن مرحوم پر یہ چند سطریں میں نے مولانا کے ایک شاگرد عزیزی محمد عنایت اللہ سبحانی کے اصرار پر لکھ دی ہیں۔ اگر مجھے استاذ مرحوم کی سیرت لکھنے کی سعادت حاصل ہوتی تو اس میں بسلسلۂ تلامذۂ فراہی ان کا ذکر تفصیل سے آتا۔ لیکن اب بظاہر اس طرح کے کسی کام کا موقع میسر آنے کی توقع باقی نہیں رہی۔ اب تو بس یہ آرزو ہے کہ اللہ تعالیٰ آخرت میں استاذ مرحوم کے ساتھ برادر مرحوم کی معیت بھی نصیب کرے!